قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

منجملہ ارشادات حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب دامت ظلہم العالی

سلسلہ

التبلیغ کا چوبیسواں ۲۴ وعظ

مسمّٰی بہ

محاسن الاسلام

حسب فرمائش محمد عثمان تاجر کتب دریبہ کلاں

مالک کتب خانہ اشرفیہ دہلی

فہرست مضامین وعظ ہذا

الوعظ المسمّٰی بہ

محاسن الاسلام

این	کہاں ہوا	انچولی ضلع میرٹھ - مکان منشی عزیز الرحمن صاحب -
متی	کب ہوا	۱ر شوال ۱۳۴۱ھ بروز یکشنبہ بوقت صبح ۸ بجکر ۳۰ منٹ پر شروع ہوا -
کم	کتنی دیر ہوا	۳½ گھنٹہ ہوا (۱۲ بجکر ۵ منٹ پر ختم ہوا)
کیف	کیونکر ہوا	کھڑے ہو کر -
لم	کیوں ہوا	منشی عزیز الرحمن صاحب نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تھا - حج سے پہلے انہوں نے احباب کا مجمع کرنا چاہا جس کا بہترین طریقہ مجلس وعظ کا انعقاد سمجھا گیا -
ماذا	کیا مضمون تھا	اسلام کی خوبیاں بیان فرمائیں اور مخالفین کے مشہور اعتراضوں کا بھی جواب دیا -
من ای شان	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	ہر طبقہ کو عموماً اور نو مسلموں کو خصوصاً اور ان مضامین کا مستحضر رکھنا مبلغین اسلام کو بہت ضروری ہے
من ضبط	کس نے ضبط کیا	احقر ظفر احمد تھانوی عفا اللہ عنہ ووفقہ اللہ لما یحب ویرضی ورزقہ عاقبۃ حسنی -
المستمعون	سامعین کی تعداد	تقریباً (۶۰۰) مرد اور مجمع مستورات اس کے علاوہ تھا -
الاشتات	متفرقات	منشی عزیز الرحمن صاحب نے بعد وعظ کے اعلان کیا کہ جو لوگ دیہات سے آئے ہیں وہ کھانا کھا کر جائیں چنانچہ بہت سے ملکانے راجپوت بھی ٹھہر گئے اور اس وعظ کی برکت یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے ساری عمر گائے کا گوشت نہ کھایا تھا مگر اس دن بہت شوق سے کھا گئے اور آپس میں یہ باتیں کرتے تھے کہ دیکھا بھی ہمارا ہی مذہب سچا ہے بھلا آریوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو اس طرح چار گھنٹے تک کھڑے ہو کر بیان کرتا ہے پھر انکی سب باتیں سمجھ میں آتی ہیں دل کو بھی لگتی ہیں اور آریوں کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں نہ معلوم کیا کہا کرتے ہیں بس جی ہم تو مسلمان ہی رہیں گے ہم شدھی نہ ہونگے (معلوم ہوا کہ اسوقت بعض گاؤں شدھی ہونے والے تھے مگر وعظ کی خبر سنکر انہوں نے اس ارادہ کو ملتوی کر دیا اور کہا کہ پہلے وعظ سن لیں دیکھیں مسلمان عالم کیا کہتا ہے وعظ سنکر اسلام پر جم گئے ثبتہم اللہ وایانا علی دینہ القویم وامانتا وایاہم علیہ وحشرنا مع نبیہ الکریم) -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم - اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم - بسم اللہ الرحمن الرحیم - قال اللہ تبارک وتعالیٰ ان الدین عند اللہ الاسلام

۵ یہ سب قصہ منشی عزیز الرحمن صاحب کی زبانی معلوم ہوا - جامع -

۱ ایک لمبی آیت میں سے چھوٹا سا ٹکڑا ہے اس کے متعلق اس وقت مجھے کچھ بیان کرنا ہے جس کا خلاصہ اسلام کی فضیلت ہے۔ چنانچہ آیت ہی کو سن کر اکثر حضرات نے عموماً اور بعض حضرات نے خصوصاً اس مقصود کو سمجھ لیا ہوگا۔ ہرچند کہ اسلام کی فضیلت کا ہر مسلمان کو اعتقاد ہے مگر جو درجہ اس کی فضیلت کا ہے اس درجہ کا استحضار بہت کم لوگوں کو ہے۔ چنانچہ عنقریب واضح ہو جائے گا پس یہہ اشکال مندفع ہو گیا کہ یہہ مضمون تو ہر شخص کو معلوم ہے۔ پھر اس کے بیان کرنے کی کیا ۲ ضرورت تھی۔ وجہ اندفاع یہہ ہے کہ جس درجہ کا علم ہونا چاہیے۔ اس درجہ کا علم حاصل نہیں ہے اس لئے اس پر تنبیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کی فضیلت اس درجہ کی ہے کہ اس ۳ سے بڑھ کر کوئی بھی فضیلت نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فضیلت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ فضیلت ہے کہ اگر وہ حاصل نہ ہو تو ضرر کچھ نہیں۔ یہ درجہ فضیلت استحباب کا ہے ایک درجہ فضیلت کا وہ ہے کہ اگر اس کو حاصل نہ کیا جائے تو ضرر ہوتا ہے۔ اس کا حاصل کرنا ضروری اور ترک ناجائز ہے۔ یہ فضیلت فرض کہلاتی ہے اور ایک درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ یہہ کہ تمام فرائض کی تحصیل کسی خاص فضیلت کی تحصیل پر موقوف ہو کہ بدون اس کے کوئی فرض ادا نہیں ہو سکتا۔ سب کی صحت اس پر موقوف ہے۔ یہ درجہ بھی گو فضیلت فرض ہی کی ایک فرد ہے۔ لیکن تمام افراد میں سب سے اعلےٰ ہے۔ یہہ درجہ اسلام و ایمان کو حاصل ہے کہ اس کا حاصل کرنا خود بھی فرض ہے اور تمام فرائض کا موقوف علیہ بھی ہے اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اسلام کی فضیلت کا کتنا بڑا درجہ ہے۔ آج ۴ کل عام طور پر مستحبات میں فرض سے زیادہ فضیلت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ نوافل و مستحبات کا جو پابند ہو اس کی بہت تعریف کی جاتی ہے گو وہ فرائض کو اچھی طرح بھی نہ ادا کرتا ہو اور جو شخص محض فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا ہو مگر ان کو اچھی طرح ادا کرتا ہو۔ اس کی زیادہ قدر نہیں کیجاتی نہ بہت تعریف ہوتی ہے۔ یوں سمجھتے ہیں کہ اُنھنے یہ کرتا ہی کیا ہے مگر حقیقت اس کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرض کی فضیلت مستحبات و نوافل سے بڑھی ہوئی ہے اور ثواب بھی اُسکا اپنی زیادہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کی فضیلت کیا ہوگی کہ وہ ضروری ہے اور مستحب ضروری نہیں۔ تو فرض کا وہ درجہ ہے جو غذا کا درجہ ہوتا ہے اور نوافل اور مستحبات کا درجہ چٹنی کی مثل ہے اور ظاہر ہے کہ غذا کو چٹنی سے زیادہ فضیلت ہے محض چٹنی بدون غذا کے بے سود ہے اور غذا بدون اس کے بے سود نہیں اس مسئلہ

۱ تمہید

۲ ضرورت بیان مضمون

۳ فضیلت اسلام اور تقسیم فضیلت

۴ آجکل لوگ مستحبات کو فضیلت سمجھتے ہیں

کو حدیث میں بھی صاف بیان کیا گیا ہے۔ فقہا نے بھی اس کو طے کر دیا ہے اور صوفیہ نے بھی تصریح کی ہے کہ بہ نسبت نوافل کے فرائض سے قرب زیادہ ہوتا ہے۔ اس سے ہماری غلطی معلوم ہو گئی کہ آج کل اُن لوگوں کی زیادہ قدر ہے جو مستحبات میں مشغول ہوں۔ گو فرائض میں کوتاہی کرتے ہوں۔ اور تعجب یہ ہے کہ فرض ادا کرنے والا بھی اپنے کو کچھ نہیں سمجھتا۔ یہہ خیال کرتا ہے کہ میں کرتا ہی کیا ہوں۔ صرف فرائض ادا کرتا ہوں۔ اس میں در پردہ فرائض کا استخفاف ہے جس کا نتیجہ یہہ ہے کہ اس نعمت پر شکر ادا کرنے کی توفیق کم ہوتی ہے اور جو مستحب میں مشغول ہو گو فرائض ولایتی طریقہ سے ادا کرتا ہو۔ لوگ بھی اس کے معتقد ہیں اور وہ خود بھی اپنا معتقد ہوتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ میں رات کو جاگتا ہوں گو فرائض میں بھاگتا ہی ہو۔ بھاگنا یہہ کہ سرف اُٹھک بیٹھک کرتا ہے۔ ارکان کو تعدیل سے ادا نہیں کرتا۔ اسی غلطی کا اثر [ع ا] یہہ ہے کہ لوگوں کو نعمت اسلام کی قدر زیادہ نہیں۔ اگر کوئی شخص دولت اسلام سے مشرف ہو اور دیگر فرائض وواجبات میں کوتاہی کرتا ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس کیا ہے۔ کچھ نہیں۔ حالانکہ اس کے پاس ایک بہت بڑی دولت ہے۔ یعنی اسلام۔ گو دوسرے فرائض میں کوتاہی کرنے سے اُس کو گناہ ہو لیکن پھر بھی اس کے پاس ایک ایسی دولت ہے کہ اگر اُس کو صحیح سلامت اپنے ساتھ لے گیا تو انشاء اللہ نجات ہو جائیگی۔ اسی مضمون کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے [ف ۲] ان الدین عند اللہ الاسلام کہ دین خدا تعالے کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اہل علم اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ ترکیب مفید حصر ہے جس سے گونہ قوت پیدا ہو گئی۔ مضمون میں اس سے اسلام کی فضیلت ظاہر ہے کہ وہ ایسا دین ہے کہ خدا کے نزدیک وہی مقبول ہے۔ یہاں یہہ شبہ ظاہر میں ہو سکتا ہے کہ ادیان تو بہت ہیں پھر اس کا کیا مطلب کہ خدا کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔ یوں فرمانا چاہیئے تھا کہ دین حق صرف اسلام ہی ہے۔ مطلق دین کو اس میں منحصر کرنا کیا۔ میں کہتا ہوں کہ حصر کے علاوہ یہہ دوسرا مبالغہ ہے کیونکہ قاعدہ ہے المطلق اذا اطلق

عه اشارة الی حدیث اخرجه البخاری عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالی قال من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیہ وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته الحدیث کذا فی المشکوة (ص ۱۹۵ ج ۱) مطبوعہ المطبعة النظامیة الدہلویة ۱۳ ...

یراد بہ الفرد الکامل کہ مطلق سے فرد کامل مراد ہوا کرتا ہے۔ پس ہر چند کہ مطلب تو یہ ہے کہ دین کامل اسلام ہی ہے اور یہہ حصر بلا کلام صحیح ہے کیونکہ دوسرے بعض ادیان یا تو اصل ہی سے حق نہیں اور یا منسوخ ہیں مگر مطلق کو منحصر کرنے میں ایک قسم کا دعوی ہے۔ جس کا حاصل یہہ ہے کہ اسلام ایسا کامل دین ہے جس کے سامنے اور مذاہب اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کو دین کہا جائے۔ چنانچہ محاورات میں بولا جاتا ہے کہ بس حسین تو فلاں شخص ہے۔ جس میں دعوی ہے کہ اُس کا حُسن ایسا کامل ہے کہ دوسرے حسین اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کو اس کے سامنے حسین کہا جائے۔ اس ادعا کی وجہ سے مطلق کا حصر کر دیا جاتا ہے۔ یہی صورت اس جگہ ہے۔ پس حاصل یہہ ہوا کہ گو ادیان اور بھی ہیں مگر اسلام ایسا کامل و مکمل دین ہے کہ اس کے سامنے دوسرے ادیان دین کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ یہ فضیلت تو اس آیت میں مذکور ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ ط کہ جو شخص اسلام کے سوا کسی دین کو طلب کرے گا وہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔ یہاں حقیقت کے موافق کلام فرمایا گیا ہے کہ دوسرے مذاہب کو بھی دین کہدیا گیا مگر اسلام کے مقابلہ میں اُن کو غیر قبول قرار دیا گیا۔ یعنی اسلام کے بغیر کسی دین کے اختیار کرنے سے نجات حاصل نہیں ہوسکتی خلاصہ یہہ کہ فضیلت کے اولاً دو درجے تھے۔ ایک فرض کا ایک استحباب کا پھر فرض میں بھی دو درجے ہیں ایک وہ جو مطلق نجات کا مدار ہو۔ دوسرے وہ جو نجات کامل کا مدار ہو اور ظاہر ہے کہ درجہ اول درجۂ ثانی سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ ایک کام تو وہ ہے کہ جس کے بغیر نجات تو ہوسکتی ہے۔ مگر کامل نجات نہ ہوگی مثلاً فوراً دخول جنت نہ ہوگا کچھ دنوں کے بعد ہوگا۔ اور ایک کام وہ ہے جس کے بغیر نجات ہو ہی نہیں سکتی نہ کامل نہ ناقص۔ اسلام اسی درجہ کا فرض ہے کہ اس کے بغیر نجات کسی طرح ہو ہی نہیں سکتی۔ اب یہہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام سے بڑھ کر کسی چیز کی فضیلت نہیں۔ یہہ تمام اعمال و فرائض میں سب سے بڑی نعمت ہے مستحبات و سنن کے ترک سے تو عتاب ہوتا ہے مگر عتاب کا نہ ہونا بھی ممکن ہے اور فرائض و واجبات کے ترک سے عذاب ہوگا اور ممکن ہے کہ کبھی بدون عذاب ہی کے مغفرت ہوجائے اور ایسا ہوگا بھی یعنی یہہ محض امکان عقلی ہی نہیں۔ بلکہ اس کا

وقوع بھی ہوگا۔ بعض گنہگار بدون عذاب ہی کے بخش دیئے جائیں گے۔ معتزلہ کے سوا کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اُن کے نزدیک گنہگار کو عذاب ہونا لازم ہے۔ تماشا ہے نہ معلوم ان لوگوں کی عقل کہاں گئی۔ وہ خدا کے ذمہ عقاب و ثواب کو واجب کہتے ہیں گویا خدا کو نعوذ باللہ قانون کا تابع کرتے ہیں۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ قانون بنانے والا قانون کا تابع نہیں ہوتا بلکہ خود قانون اس کے تابع ہوا کرتا ہے۔ اگر اُن کے نزدیک عذاب و ثواب کا وجوب عقلی ہے اس سے واجب کا مضطر ہونا لازم آتا ہے اور اضطرار امارات حدوث سے ہے اور واجب اضطرار سے منزہ ہوتا ہے اور اگر یہ وجوب شرعی ہے تو اس کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ اگر وہ دلیل میں آیات وعید کو پیش کریں تو ہم آیات عفو و مغفرت و شفاعت کو پیش کریں گے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالےٰ بہت سے گناہوں کو بدون عذاب کے بھی معاف کر دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ باقی جن آیات میں افعال کبیرہ کا عقاب مذکور ہے وہاں استحقاق مراد ہے لزوم و وقوع مراد نہیں یعنی کبائر سے وہ شخص عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے وقوع عقاب لازم نہیں ممکن ہے حق تعالیٰ اسے بخش دیں باقی وقوع کا تعلق ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ الخ سے صاف معلوم ہو گیا کہ سب گناہوں پر عذاب لازم نہیں بجز شرک و کفر کے کہ اُن پر عذاب لازم ہے (یعنی شرعاً) غرض گناہ کبیرہ تو بدون عقاب کے معاف ہو سکتا ہے مگر کفر و شرک کا ارتکاب بدون عذاب کے نہیں رہ سکتا اس پر عذاب لازم ہے اور وہ بھی ابدالآباد کے لئے جس کا انقطاع کبھی نہ ہوگا۔ یہہ جرم کسی طرح معاف نہ ہوگا۔ نہ عذاب سے نہ بغیر عذاب کے۔ آج کل بعض لوگوں نے اسلام پر اعتراضوں کی فہرست میں ایک یہ اعتراض بھی داخل کیا ہے۔ کہ مسلمانوں کے نزدیک کبائر بھی بدون عقاب کے معاف ہو جا سکتے ہیں تو اس اعتقاد کا نتیجہ یہہ ہے کہ مسلمانوں کو کبائر پر اقدام زیادہ ہے وہ بڑے سے بڑا جرم کرکے بھی نجات کے امیدوار رہتے ہیں۔ میں اس اعتراض کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ اس کا جواب یہہ ہے کہ اقدام جرائم اگر اس عقیدۂ اسلام کا ثمرہ ہوتا تو اس کا نتیجہ یہہ ہوتا کہ جن لوگوں کو اسلام سے جتنا زیادہ تعلق ہے۔ مثلاً علماء و اتقیاء و صوفیہ اُن میں یہ ثمرہ زیادہ ظاہر ہوتا کیونکہ قاعدہ ہے کہ مذہب کے ثمرات کا ظہور اُن ہی لوگوں میں زیادہ

ہوتا ہے۔ جنکو مذہب سے تعلق زیادہ ہے ۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں اور کفار بھی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو اسلام سے تعلق زیادہ ہے وہ جرائم کا ارتکاب تو کیا کرتے وہ تو شبہات سے بھی احتراز کرتے ہیں چنانچہ ہمارے ایک دوست کا جو کہ بی ملے ہیں واقعہ ہے کہ وہ ایک بار ریل کا سفر کر رہے تھے ۔ اُن کے پاس اسباب پندرہ سیر سے زیادہ تھا ۔ اسٹیشن پر تن گئے ۔ وقت کی وجہ سے وہ اُس کو وزن نہ کرا سکے اُس وقت تو جلدی میں سوار ہوگئے لیکن جب منزل مقصود پر اُترے تو وہاں کے بابو سے جاکر اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں جلدی میں اسباب کو وزن نہ کرا سکا ۔ اب آپ اس کو وزن کرلیں اور جو محصول میرے ذمہ ہو اُس کو وصول کر لیجئے ۔ بابو نے انکار کیا کہ مجھ کو فرصت نہیں تم ویسے ہی لیجاؤ ۔ ہم تم سے محصول نہیں لیتے اُنھوں نے کہا کہ صاحب آپ کو اس معافی کا کوئی حق نہیں کیونکہ آپ ریلوے کے مالک نہیں بلکہ ملازم ہیں ۔ آپ کو محصول مجھ سے لے لینا چاہیے مگر اس نے پھر بھی انکار کیا تو یہہ اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے ۔ اس نے بھی کہا کہ آپ بلا تکلف سامان لے جائیں ہم آپ سے محصول نہیں لیتے ۔ انھوں نے اس سے بھی کہا کہ آپ کو معافی کا کوئی حق نہیں ۔ اس کے بعد اسٹیشن ماسٹر اور اس بابو میں انگریزی میں گفتگو ہونے لگی ۔ وہ یہہ سمجھے کہ یہہ مسافر انگریزی نہیں سمجھتا ہوگا (کیونکہ اُن کی صورت ملانوں کی سی تھی) غرض اُن دونوں نے اوس گفتگو میں یہہ رائے قرار دی کہ یہہ شخص شراب پیئے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ہمارے انکار کے یہ محصول دینے پر اصرار کرتا ہے ۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ صاحب میں نے شراب نہیں پی بلکہ ہمارا مذہبی حکم ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھو ۔ اس پر وہ دونوں بولے کہ صاحب ہم تو اسوقت اسباب وزن نہیں کرسکتے آخر یہہ اسباب اٹھا کر پلیٹ فارم سے باہر لائے اور سوچنے لگے کہ یا اللہ اب میں ریلوے کے اس حق سے کس طرح سبکدوشی حاصل کروں ۔ آخر خدا نے امداد کی اور یہہ بات دل میں ڈالی کہ جتنا اسباب زیادہ ہے اس کے محصول کے برابر ایک ٹکٹ اسی ریلوے کے کسی اسٹیشن کا لیکر چاک کر دیا جائے ۔ اسی طرح ریلوے کا حق اس کو پہونچ جائیگا چنانچہ ایسا ہی کیا ۔ میرے ایک اور دوست کا جو کہ ڈپٹی کلکٹر بھی تھے واقعہ ہے کہ اُن کا ایک بچہ ریل کے سفر میں ان کے ہمراہ تھا ۔ جس کا قد بہت کم تھا کہ دیکھنے میں دس سال کا

دوسرا واقعہ

معلوم ہوتا تھا مگر اس کی عمر تقریباً تیرہ سال کی تھی اور ریلوے کے
قاعدہ سے اس عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لینا ضروری ہے۔ انہوں نے اس کا پورا ٹکٹ
لینا چاہا تو ساتھیوں نے بہت منع کیا کہ اس کو تیرہ سال کا کون کہہ سکتا ہے۔ آپ
آدھا ٹکٹ لے لیجئے کوئی کچھ نہ کہے گا۔ انہوں نے کہا کہ بندے کچھ نہ کہیں گے۔ تو کیا
حق تعالےٰ بھی باز پرس نہ فرمائیں گے کہ تم نے دوسرے کی چیز میں تھوڑی اُجرت پر بدون
اُس کی اجازت کے کیوں تصرف کیا۔ غرض انہوں نے پورا ٹکٹ لیا اور اُن کے ساتھی
اُن کو بیوقوف بناتے رہے مگر مصرعہ اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد + بھلا اس کی نظیر
کوئی قوم بھی دکھلاسکتی ہے کہ ایک شخص کو ریل بابو اور اسٹیشن ماسٹر خود کہدے کہ تم
بلا تکلف اسباب لے جاؤ ہم محصول نہیں لیتے اور وہ پھر بھی اُن پر اصرار کرے کہ نہیں
تم کو محصول لینا پڑے گا۔ تمکو معاف کا کوئی حق نہیں اور جب وہ کسی طرح وصول نہیں کرتے
تو یہہ محض خدا کے خوف سے ریلوے کا ٹکٹ مقدار محصول کے برابر خرید کر چاک کرتا ہے
(اور یہہ صورت شبہات سے احتراز کرنے کی عام لوگوں کی نظروں میں ہے ورنہ حقیقت
میں یہ شبہات کی قسم سے نہیں بلکہ صریح واجب کا امتثال ہے) پس اگر اس عقیدہ کا
اثر اقدام علی الجرائم ہوتا تو علماء وصلحاء سب سے زیادہ بیباک اور جرائم پر اقدام
کرنیوالے ہوتے۔ حالانکہ مسلمانوں میں یہہ طبقہ جو اسلام کے حقیقی مرتبہ کو پہنچانتا ہے
سب سے زیادہ جرائم سے بچنے والا اور شبہات سے احتراز کرنیوالا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ
عقیدہ کا یہہ اثر نہیں ہے جو ان معترضوں نے سمجھا ہے بلکہ اس کا اثر جرائم سے رُکنا اور
گناہوں سے نفرت پیدا ہونا ہے جس کی وجہ میں عنقریب بتلاؤنگا کہ اس عقیدہ کا اثر
گناہوں سے نفرت پیدا ہونا کس طرح ہے مگر افسوس ہے

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد + عیب نماید ہنرش در نظر

ایسا پاکیزہ مسئلہ جو جرائم کی جڑ کاٹنے والا ہے بد اندیش کو اقدام جرائم کا سبب معلوم
ہوتا ہے۔ یہہ جواب تو مشاہدہ کے متعلق ہے کہ حساً و مشاہدۃً اس عقیدہ کا یہہ اثر جو تم
بتلا رہے ہو غلط ثابت ہورہا ہے اور جواب عقلی اس کا یہہ ہے کہ یہ عقیدہ عقلاً اقدام
جرائم کا سبب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کا حاصل صرف یہہ ہے کہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں گے
باوجود کبائر کے عذاب سے معاف کردیں گے۔ جس میں تعیین کسی کی نہیں ہے۔ یعنی کسی شخص کو

معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیت الٰہی بصورت عفو ہے یا بصورت عذاب (نظراً الی اصل الاستحقاق
قانوناً ۱۲ جامع) پھر اس صورت میں کوئی شخص بھی عذاب سے بےفکر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر ایک
کو یہہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ شاید میرے ساتھ قانونی برتاؤ کیا جاوے اس کی ایسی مثال ہے
جیسے ایک عنین شخص شرم و ندامت کی وجہ سے خودکشی پر آمادہ ہو کر سنکھیا استعمال کرے
اور اتفاقاً وہ سنکھیا کھا کر ہلاک نہ ہو بلکہ سنکھیا ہضم ہو کر اس کے اندر قوت مردمی پیدا کر دے
چنانچہ بعض جگہ ایسے واقعات ہوئے ہیں مگر کیا اس اتفاقی واقعہ سے کسی کو سنکھیا کھانے پر جرأت
ہو سکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ ہر عاقل سمجھتا ہے کہ زہر کا خاصہ تو ہلاک کرنا تھا مگر اتفاقاً اس شخص میں
اس کی خاصیت کا ظہور نہ ہوا تو اس سے خاصیت نہیں بدل گئی اسلئے مردانگی بڑھانیکے لئے سنکھیا
کھانیکی کوئی نہ اجازت دیسکتا ہے اور نہ ہر شخص اس پر جرأت کر سکتا ہے علیٰ ہذا سب لوگوں کو معلوم
ہے کہ بعض وقت حکام و سلاطین مراحم خسروانہ سے کسی قاتل کو رہا بھی کر دیتے ہیں مگر اس علم کی وجہ سے
ہر شخص کو قتل پر جرأت نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قتل کی اصلی سزا تو قتل ہی ہے اور عمل بھی
اکثر اسی قانون کے مطابق ہوتا ہے اور مراحم خسروانہ کوئی قانون نہیں بلکہ محض حاکم کی مشیت پر ہے کچھ
معلوم نہیں کہ وہ کس کے ساتھ مراحم خسروانہ کا برتاؤ کرے کس کیساتھ نہ کرے لہذا مراحم خسروانہ کے بھروسہ
پر اقدام جرائم کی جرأت نہیں ہو سکتی بعینہ اسی طرح کبائر کا بدون عذاب کے معاف ہو جانا بطور مراحم خسروانہ کے ہے
پس اس مسئلہ کو اقدام جرائم کا سبب کیونکر سمجھ لیا گیا۔ بھلا اگر کوئی شخص جنگل میں پاخانہ کرنے جائے اور
استنجے کے لئے ڈھیلا توڑتے ہوئے اس کو زمین میں سے سونے کا گھڑا مل جائے تو کیا اس اتفاقی بات
پر بھروسا کر کے کوئی شخص بھی تجارت و زراعت سے مستغنی ہو کر بیٹھ سکتا ہے کہ مجھ کو بھی اسی طرح پاخانہ
کرتے ہوئے سونے کا گھڑا مل جاویگا ہرگز نہیں۔ اسی طرح اتفاقاً کسی مرتکب کبائر کا بدون عذاب کے
بخشدیا جانا اتفاقی ہے اس لئے یہ اقدام جرائم کا سبب ہرگز نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی جو لوگ جرائم کا ارتکاب
کرتے ہیں وہ اپنی طبیعت کے خبث سے ایسا کرتے ہیں۔ اس عقیدے کو اس میں کیا دخل۔ پھر یہہ جو
بعض گنہگاروں کی مغفرت بدون عقاب کے ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہہ بھی معلوم ہے کہ یہ مغفرت کیونکر
ہوگی یہہ بھی کسی عمل صالح ہی کی وجہ سے ہوگی۔ ابوداؤد کی ایک حدیث سے ابھی یہ مسئلہ معلوم ہوا ہے وہ
حدیث یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی مقدمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی
اور اس طرح کہا۔ اشہد باللہ الذی لا الٰہ الا ہو ما فعلت ذلک۔ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی
معبود نہیں کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلی قد فعلت ولکن غفر اللہ لک باخلاص

تو لَا اِلٰہ اِلَّا ہُو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونے یہ کام ضرور کیا (اور تیسری قسم جھوٹی ہے جس کا بہت بڑا گناہ ہوتا) لیکن حق تعالیٰ نے تجھے اس اخلاص کی برکت سے بخشدیا جو لا الٰہ الا ہو کہتے ہوئے تجھ سے صادر ہوا نہ معلوم اُسوقت کس دل سے اس نے خدا کا نام لیا تھا جو اس درجہ مقبول ہوگیا (یعنی اُس نے خدا کا نام اُسوقت کامل اخلاص سے لیا تھا اس کی برکت سے حلف کاذب کا گناہ معاف ہوگیا) اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور نے ڈگری اسی کی کردی بلکہ محض اس گناہ کی مغفرت کا بیان فرمانا مقصود ہے کیونکہ جب وحی سے اُس کا کاذب فی الحلف ہونا معلوم ہوگیا تو اب ڈگری اُس کے حق میں کیونکر ہوسکتی تھی۔ تو دیکھئے گناہ کتنا سنگین تھا کہ جھوٹی قسم کہائی اور وہ بھی حضور کے سامنے کہ حضور کے سامنے جھوٹی قسم کھانا ایسا ہے جیسا خدا کے سامنے۔ اور ظاہر ہے کہ محل و زماں کی عظمت سے بھی فعل میں عظمت پیدا ہوجاتی ہے۔ زنا کرنا گناہ ہے مگر مسجد میں زنا کرنا اور بھی اشد ہے اور اگر کوئی نامعقول کعبہ میں ایسا فعل کرے تو بہت ہی سخت ہے۔ اسی طرح جھوٹی قسم کھانا گناہ ہے مگر حضور کے سامنے اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ آپ نائب خدا ہیں۔ آپ کے سامنے جھوٹی قسم ایسی ہے جیسے خدا کے سامنے ہو۔ شاید کوئی یہہ کہے کہ ہم تو اسوقت بھی جو کچھ کرتے ہیں سب خدا ہی کے سامنے ہے اور جس جگہ جو کام ہوگا وہ خدا کے سامنے ہوگا تو چاہئے ہر جگہ وہی گناہ ہو جو حضور کے سامنے جھوٹی قسم سے ہوتا ہے اس کا جواب یہہ ہے کہ اسوقت تم تو خدا کے سامنے ہو مگر خدا تمہارے سامنے نہیں اور میرا مطلب یہ ہے کہ حضور کے سامنے قسم کھانا ایسا ہے جیسا خدا تعالیٰ کو سامنے سمجھ کر قسم کھانا خلاصہ یہ کہ قرب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قرب حسی یہ تو جہاں ہوتا ہے طرفین سے ہوتا ہے اور ایک قرب علمی۔ یہ ایک طرف سے بھی ہوسکتا ہے۔ پس اس وقت جو تم خدا کے سامنے ہو یہ قرب علمی ہے کہ خدا تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال مخفی نہیں۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں مگر اس حالت میں تم کو قرب حاصل نہیں ورنہ ہر شخص کا مقرب ہونا لازم آئیگا اور قیامت میں جو تم خدا کے سامنے ہوگے وہ قرب جانبین سے ہوگا کہ تم بھی خدا تعالیٰ کے سامنے ہوگے اور خدا تعالیٰ بھی تمہارے سامنے ہونگے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید میں قرب علمی مراد ہے۔ اسی لئے یہ نہیں فرمایا کہ تم بھی ہم سے قریب ہو بلکہ صرف اپنا قرب بیان فرمایا۔ کیونکہ یہاں تماشہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تو ہم سے قریب ہیں مگر ہم اُن سے دور ہیں ؎

یار نزدیک تر زمن بہ من است + ویں عجب تر کہ من ازو دورم

تو حضور کے سامنے جھوٹی قسم ایسی ہے جیسے قیامت میں خدا کے سامنے جھوٹی قسم کھانا جبکہ تم بھی حق تعالیٰ کو اپنے سامنے سمجھوگے۔ یہاں شاید کسی مخالف کو یہ شبہ ہو کہ کیا مسلمانوں کے نزدیک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کے برابر ہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ عبادت میں مسلمانوں کے نزدیک خدا کا کوئی شریک نہیں۔ حضور بھی اس میں شریک نہیں ہیں۔ اسی لئے حضور کو سجدہ کرنا نہ زندگی میں جائز تھا نہ اب آپ کی قبر کو سجدہ جائز ہے۔ مگر اطاعت[1] میں حضور کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے نہ اس لئے کہ آپ شریک فی الاطاعت ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب خدا کی طرف سے پیغام ہوتا ہے تو آپکا حکم درحقیقت آپ کا حکم نہیں بلکہ پیغمبر ہونے کی وجہ سے وہ خدا ہی کا حکم ہے۔ اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے احکام کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ اور۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ وزیر کو حکم دیتا ہے کہ رعایا میں یہ قانون شائع کردو۔ پس اسوقت وزیر کی زبان سے جو قانون شائع ہو رہا ہے وہ درحقیقت بادشاہ کا حکم ہے۔ اس لئے وزیر کی اطاعت بعینہ بادشاہ کی اطاعت ہے مگر اس سے ہرگز کوئی شخص یہ نہیں سمجھتا کہ وزیر بادشاہ کے برابر ہوگیا اور اگر کوئی جاہل ایسا سمجھنے لگے اور آئندہ سے بجائے بادشاہ کے تخت کو بوسہ دینے کے وزیر کی کرسی کو بوسہ دینے لگے تو یقیناً وہ معتوب ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ کسی مقدمہ میں ایک شخص کو وکیل کر دیں تو جو کچھ وہ کہتا ہے سب آپ کی طرف منسوب ہوتا ہے کہ گویا تم خود کہہ رہے ہو مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وکیل تمہارے برابر ہوگیا کہ تمہاری تمام جائداد کا مالک ہو جاوے کہ اس میں جو چاہے تصرف کرے ہرگز نہیں پس مسلمان رسول کی اطاعت کو خدا کی اطاعت اسی معنی کر کہتے ہیں جیسے وزیر کی اطاعت بادشاہ کی اطاعت ہوتی ہے اور وکیل کا قول مؤکل کا قول ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو اس سے شرکت و مساوات ہرگز لازم نہیں آتی مگر افسوس یہ ہے کہ مخالفین اعتراض کرتے ہوئے مسائل اسلامیہ کی حقیقت کو ذرا نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو منشا اعتراض کا محض حسد ہے ورنہ مسائل اسلامیہ پر کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہوسکتا۔ غرض ابوداؤد کی حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ کوئی گناہ بدون عذاب کے اسلئے معاف ہو جاتا ہے کہ اس شخص کے پاس ایک عمل صالح اس درجہ کا موجود ہے جو خدا کے یہاں بہت مقبول ہو چکا ہے اُس کی برکت سے دوسرے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو اب کوئی شخص اس مسئلہ عفو و مغفرت کے بھروسہ کیونکر بیفکر ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات[2] تو کسیکو معلوم نہیں کہ میرے پاس کوئی ایسا عمل بھی ہے جو خدا تعالیٰ کے یہاں بہت زیادہ مقبول ہو چکا ہو۔ کیا کسی کو اپنا کوئی عمل ایسا یاد ہے جو نہایت اخلاص سے ہوا ہو اگر کوئی کہے کہ ہاں ہمکو بعض اعمال اپنے یاد ہیں جو ہمنے نہایت اخلاص سے کئے ہیں تو سمجھ لو کہ اخلاص کی شناخت ہے جسکے تحت میں افراد

[1] اطاعت رسول کا اطاعت خدا ہونا اور اسپر مخالفین کا اعتراض مع جواب کے

[2] کسی کو معلوم نہیں کہ ہمارا کوئی عمل ایسا مقبول ہو چکا ہو اس لئے کوئی بیفکر نہیں ہوسکتا

متفاوت ہیں تو کسی عمل میں اخلاص ہو جانے سے یہ کیونکر معلوم ہو گیا کہ یہ اخلاص اُس درجہ کا ہے جس سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بہرحال بیفکری کسی حال میں نہیں ہو سکتی گو نا امیدی بھی نہ چاہئیے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ بعض گناہوں کا بدون عقاب کے معاف ہو جانا یہ حق تعالیٰ کا عفو وکرم ہے اسکو سنکر لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ بڑے ہی رحیم وکریم ہیں جو اپنے بندوں پر بیحد عنایت فرماتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ طبائع سلیمہ میں عنایت وکرم سے اطاعت وعبادت کو ترقی ہوتی ہے نہ کہ سرکشی کو اگر آقا کی عنایات زیادہ ہوں تو اس کی اطاعت کا شوق بڑھتا ہے۔ وہ نوکر بڑا ہی پاجی ہے جو آقا کی بیحد عنایات کے بعد بھی سرکشی ہی کرے طبائع سلیمہ تو احسان وکرم وعنایات سے بندۂ بےدرم ہو جاتی ہیں اسلئے یہ عقیدہ اقدام علی الجرائم کا سبب ہرگز نہیں بلکہ جرائم وسرکشی کی جڑ کاٹنے والا ہے جن لوگوں کی طبائع سلیم ہیں وہ خدا کی ان نعمتوں اور عنایتوں کو دیکھکر اور زیادہ عبادت کرتے ہیں چنانچہ جو لوگ اسلام سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں ان میں یہ امر مشاہد ہے اب اگر اس عقیدہ سے کسی میں اقدام جرائم کا وصف پیدا ہو تو کہا جائے گا کہ یہ اس عقیدہ کا اثر نہیں بلکہ اس شخص کی کج طبع کا اثر ہے جیسا بادشاہ کا کریم ہونا طبائع سلیمہ کے لئے زیادت وفاداری کا سبب ہوتا ہے گو بعض نالائق بادشاہ کے کرم کی وجہ سے جرائم پر بھی دلیر ہو جاتے ہیں مگر کیا اس کا سبب بادشاہ کے کرم کو کہا جائیگا یا اُن کی بدطینتی کو۔ اس کا فیصلہ عقلاء خود کر سکتے ہیں۔ بعض لوگوں کو آیت لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً سے دھوکہ ہوا ہے اور وہ بیفکر ہو گئے ہیں کیونکہ وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ یقیناً سب گناہوں کو معاف کر دیں گے کیونکہ یہاں لمن یشاء کی قید نہیں ہے۔ سو ان کو سمجھ لینا چاہئیے کہ اول تو یہ آیت عام نہیں ہے بلکہ اس کا نزول اُن لوگوں کے بارہ میں ہوا ہے جو کفر سے اسلام کی طرف آنا چاہتے تھے مگر اُن کو اسلام سے یہ خیال مانع تھا کہ ہم نے حالت کفر میں بڑے بڑے جرائم کئے ہیں اُن کا کیا حشر ہوگا۔ آیا اسلام کے بعد اُن پر مواخذہ ہوگا یا نہیں اگر مواخذہ ہوا تو پھر اسلام سے ہی کیا فائدہ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا لو اسلمنا فما یفعل بذنوبنا التی اسلفنا (او کما قالوا) کہ اگر ہم اسلام لے آئیں تو ہمارے پہلے گناہوں کے متعلق کیا برتاؤ ہوگا اِس پر یہ آیت نازل ہوئی جسکا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے بعد پہلے گناہ جو حالت کفر میں کئے گئے ہیں سب معاف ہو جاوینگے پس اس میں جو مغفرت کا وعدہ عمومی ہے وہ عام نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اور لوگوں کے گناہ بدون عقاب کے معاف نہ ہوں گے۔ نہیں دوسروں کے بھی معاف ہوں گے جیسا کہ

میں پہلے بیان کرچکا ہوں لیکن ان کے لئے وہی وعدہ ہے جو دوسری آیت میں مذکور ہے ۔ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء جس میں حتمی وعدہ نہیں بلکہ مشیت کی قید سے مشروط ہے اور اس آیت میں جو بلا قید مشیت وعدہ حتمی کیا گیا ہے یہ صرف نومسلموں کے لئے ہے کہ اسلام سے اُنکے پہلے گناہ ضرور معاف ہو جاویں گے جیساکہ شان نزول سے معلوم ہو رہا ہے اور شان نزول مثل تفسیر کے ہے ۔ بہت سے نصوص بظاہر عام ہیں لیکن شان نزول سے ان کی تقیید کی جاتی ہے جیسے لیس من البر الصیام فی السفر بظاہر عام ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں حالانکہ فتویٰ یہ ہے کہ اگر سفر میں مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور حدیث کو مقید کیا گیا ہے حالت مشقت کے ساتھ کیونکہ حضور نے یہ ارشاد ایسے موقع پر فرمایا تھا جبکہ آپ کا گذر ایسے شخص پر ہوا جو سفر میں روزہ دار تھا اور ضعف کی وجہ سے بیہوش و بدحواس ہوگیا تھا کہ لوگ اس پر سایہ کر رہے تھے تاکہ دھوپ سے دماغ پر زیادہ گرمی نہ چڑھ جاوے اس واقعہ میں آپ کا یہ ارشاد فرمانا اس کا قرینہ ہے کہ مراد ایسا سفر اور ایسی حالت ہے کہ اس میں روزہ رکھنا خلاف افضل ہے بلکہ اگر جان کا اندیشہ ہو تو حرام ہے ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اس آیت کو شان نزول سے مقید نہیں کرتے کیونکہ اصل قاعدہ تو یہ ہے ۔ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد اور آیت میں یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسهم بظاہر سب کو عام ہے ۔ خواہ نومسلم ہوں یا مسلم قدیم تو میں کہتا ہوں کہ آپ شان نزول سے مقید نہیں کرتے تو دوسری آیت سے اس کو مقید کرنا پڑیگا اور ایک آیت کو دوسری آیت سے مقید کرنا اتحاد واقعہ میں لازم ہے اور ظاہر ہے کہ آیت ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء اور آیت یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسهم دونوں عصاۃ کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں اور ایک جگہ مغفرت بقید مشیت مشروط ہے اور دوسری جگہ مطلق ہے تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جاویگا رہا یہ سوال کہ جب دونوں جگہ مشیت کی شرط ہے تو ایک آیت میں اطلاق کیوں رکھا گیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ ایک جگہ تو قاعدہ اور قانون کا بیان کرنا مقصود ہے اس لئے وہاں تو قید کو ظاہر کردیا کہ حق تعالیٰ بدون عقاب کے بھی اگر چاہیں گے معاف کردیں گے اور دوسری جگہ مایوسین کی یاس کا زائل کرنا مقصود ہے وہاں شرط مشیت کے ظاہر کردینے سے یاس کا ازالہ نہ ہوتا کیونکہ مایوس آدمی کو طرح طرح کے توہمات پیدا ہوا کرتے ہیں شرط مشیت کے اظہار سے اس کو اور وساوس پیدا ہوتے ہیں کہ نہ معلوم میرے متعلق مشیت ہوگی یا نہیں تو اُسکی

شان نزول سے بھی نصوص عام کی تخصیص ہو جاتی ہے

آیت لاتقنطوا کے اطلاق کی حکمت

یاس زائل نہ ہوتی اس لئے وہاں قید کو بیان نہیں فرمایا تاکہ آیت کو سنتے ہی اُس پر رجار کا غلبہ ہو جائے اور یاس کا غلبہ جاتا رہے اور واقعی مایوس کا علاج یہی ہے کہ اُس کو ایک دفعہ کامل اطمینان دلا دیا جاوے جب وہ حالت یاس سے نکل جائے پھر اس کو تدریجاً اصل قانون سے مطلع کردیا جاوے اس کو وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جن پر کبھی یہ حالت گذری ہو یہ تو حکمت ہے اس اطلاق کی اور اس کی ضرورت بھی تھی کیونکہ اس میں مانع اسلام کو بھی مرتفع کیا گیا ہے اگر یہ آیت نہ ہوتی تو کفار کو سخت وسوسہ لاحق ہوتا اور وہ اسلام سے محروم رہتے اور یہ وسوسہ واقع بھی ہو چکا ہے لہٰذا ان کو مطمئن کردیا گیا کہ تم بے فکر ہو کر اسلام لے آؤ حق تعالیٰ تمہارے سب گناہ معاف کردیں گے۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ آیت لاتقنطوا میں صرف مایوسین کی یاس کا ازالہ مقصود ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اعمال کی ضرورت اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام لازم نہیں بلکہ لفظ لاتقنطوا ضرورتِ اعمال پر خود دلالت کر رہا ہے کیونکہ اس میں قنوط و یاس کی ممانعت ہے اور تجربہ ہے کہ کہ معاصی میں قنوط و یاس پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ رجار بدون اعمال صالحہ کے پیدا نہیں ہوتی۔ مجرم کو اپنے جرم کا استحضار جس وقت ہوتا ہے اُسوقت رجار کا مضمون دل میں نہیں آسکتا اور اگر کسی مجرم کو رجا ہو گی بھی تو کسی عمل صالح کی برکت سے ہو گی کہ اُس کے پاس کوئی نیک کام ضرور ہو گا۔ جب قنوط سے بچنا واجب ہے تو اسباب قنوط سے بچنا بھی واجب ہو گا۔ لان مقدمۃ الواجب واجبۃ سرکش غلام کو امید کا درجہ کبھی نصیب نہیں ہوتا جب چاہے تجربہ کر لیا جاوے ؎

احب مناجاۃ الحبیب باوجہ ٭ ولکن لسان المذنبین کلیل

واقعی مجرم کی زبان مناجات سے بھی بند ہو جاتی ہے۔ غرض اور افعال تو ایسے ہیں کہ بدون ان کے کبھی نہ کبھی مغفرت و نجات ہو جائیگی خواہ بعد عقاب یا قبل عقاب مگر اسلام وہ چیز ہے کہ اسکے بغیر مغفرت و نجات ممکن نہیں یہ مطلب نہیں کہ خدا اس پر قادر نہیں کہ کافر کی مغفرت کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ کافر کی مغفرت چاہینگے نہیں گو قادر ضرور ہیں ورنہ تعذیب کافر پر خدا تعالیٰ کا مضطر ہونا لازم آئیگا اور اضطرار منافی وجوب ہے اور بدون ایمان و اسلام کے حق تعالیٰ کا کسی کی مغفرت نہ چاہنا قرآن میں جا بجا مذکور ہے۔ چنانچہ ایک آیت تو وہی ہے ان اللّٰہ لایغفر ان یشرک بہ مگر شاید کوئی اس پر یہ شبہ کرے کہ یہاں تو صرف شرک کا ذکر ہے کفر کا ذکر نہیں اور بعض کافر ایسے بھی ہیں جو مشرک نہیں بلکہ موحد ہیں مگر اسلام سے انکار کرتے ہیں ان کی مغفرت نہ ہونا اس آیت میں کہاں مذکور ہے تو سنئے دوسری جگہ مذکور ہے

ان الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین فی نار جہنم خالدین فیہا اولئک ہم شر البریہ اس میں کافر کو اہل کتاب و مشرکین کا مقسم قرار دیا گیا ہے اور دونوں کے لئے خلود فی جہنم مذکور ہے جس سے کافر کی مغفرت نہ ہونا بھی معلوم ہوگئی اور یہ شبہہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں تو صرف خلود کا ذکر ہے جس کے معنی مکث طویل کے ہیں اور اس کے لئے دوام لازم نہیں۔ جواب یہ ہے کہ دوام خلود کے منافی بھی نہیں۔ پس اگر کوئی قرینہ قائم ہو تو خلود سے دوام کا قصد ہوسکتا ہے (اور یہاں خلود بمعنی دوام ہونے پر قرینہ قائم ہے وہ یہ کہ مشرکین کے لئے خلود بمعنی دوام ہی ہوگا اور یہاں کافر و مشرک دونوں کا حکم مذکور ہے۔ جب مشرک کے لئے خلود بمعنی دوام ہے تو کافر کے لئے بھی دوام ہی ہوگا ورنہ کلام واحد میں ایک لفظ سے جدا جدا معنی کا قصد لازم آئیگا اور یہ ممتنع ہے علاوہ ازیں یہ کہ بعض آیات میں کافر کے لئے خلود کو دوام سے موصوف بھی کیا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے والذین کفروا قطعت لہم ثیاب من نار الی قولہ تعالیٰ کلما ارادوا ان یخرجوا منہا من غم اعیدوا فیہا اور ارشاد ہے والذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ ثم ماتوا وہم کفار فلن یغفر اللہ لہم۔ پس اب کافر کا بھی ہمیشہ کے لئے معذب ہونا صاف طور پر معلوم ہوگیا جس سے اس کی عدم مغفرت بھی سمجھ میں آگئی ہوگی اور یہاں سے ایک اشکال کے مندفع ہونے پر تنبیہ کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ خلود کے معنی مکث طویل ہونے سے اُس آیت کی تفسیر واضح ہوگئی جو قاتل عمد کے بارہ میں وارد ہے ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا۔ کہ اس سے قاتل عمد کی توبہ کا مقبول نہ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اس میں خلود بدون قید دوام مذکور ہے اور خلود دوام کو مستلزم نہیں۔ نہ یہاں کوئی قرینہ ارادۂ دوام کے لئے مرجح ہے اس لئے مدلول آیت صرف اسقدر ہے کہ قاتل عمد کو زمانہ دراز تک عذاب جہنم ہوگا مگر کبھی وقت نجات ہو جائیگی گو مدت دراز ہی کے بعد ہو اور جب وہ مستحق نجات ہے تو اس کی توبہ بھی قبول ہونی چاہئے) اس میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اختلاف ہے کہ اُن کے نزدیک قاتل عمد کے لئے توبہ نہیں مگر جمہور صحابہ کے نزدیک قبول ہے۔ پھر صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہوگیا کہ اُسکی توبہ مقبول ہوسکتی ہے جبکہ قاعدہ شرعیہ سے ہو اور قاعدہ ہے کہ اجماع متاخر اختلاف مقدم کا رافع ہوتا ہے لہٰذا اب یہ مسئلہ اجماعی ہے مگر کفار و مشرکین کے لئے دوسری بعض آیات میں خلود کے ساتھ دوام بھی مذکور ہے۔ اس لئے وہاں مغفرت کا کوئی احتمال نہیں کیونکہ خلود کے معنی بہت دن رہنا ہے اور ابد وہ ہے جس کا کبھی انقطاع نہ ہو۔ حاصل یہ ہوا کہ کفار و مشرکین جہنم میں

ایسی دراز مدت کے لئے داخل ہوں گے جس کا انقطاع ہی نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ کفر کہتے ہیں خلاف اسلام کو خواہ اسکے ساتھ شرک بھی ہو یا نہ ہو دونوں کے لئے سزا ابد الآباد جہنم ہے جب ترک اسلام کی یہ سزا ہے تو اس سے اسلام کی عظمت و فضیلت اور اُس کی ضرورت کا درجہ معلوم ہوگیا اور ترک اسلام کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہہ کہ اول ہی سے اسلام قبول نہ کرے دوسرے یہ کہ بعد قبول کے ترک کردے - دونوں صورتوں میں یہی سزا ہے بلکہ دوسری صورت پہلی سے اشد ہے چنانچہ قوانین سلطنت میں بھی باغی کی سزا ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جو پہلے ہی سے اس سلطنت کی رعایا نہیں ہیں بلکہ کسی مخالف سلطنت کی رعایا ہیں۔ ایسے لوگوں پر اگر کبھی غلبہ ہو جاوے تو اُن کو غلام بنا لیتے ہیں یا احسان کرکے رہا کردیتے ہیں یا عزت کے ساتھ نظر بند کردیتے ہیں مگر باغی کے لئے بجز قتل یا عبور دریائے شور کے کچھہ سزا ہی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رعایا بنکر باغی ہو جانے میں سلطنت کی زیادہ توہین ہے اسی طرح اسلام لاکر مرتد ہو جانے میں اسلام کی سخت توہین اور اس کی تعلیم کو دوسروں کی نظروں میں حقیر کرتا ہے۔ دیکھئے ایک تو وہ شخص ہے جس سے کبھی آپ کی دوستی نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ سے مخالفت ہے اُس کی مخالفت سے آپکا اتنا ضرر نہیں ہوتا اور اگر کبھی وہ آپ کی مذمت و ہجو کرے تو لوگوں کی نظروں میں اُس کی کچھ وقعت نہیں ہوتی۔ سب کہدیتے ہیں کہ میاں اس کو تو ہمیشہ سے اُس کے ساتھ عداوت ہے۔ دشمنی میں ایسی باتیں کرتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو سالہا سال آپکا دوست رہا پھر کسی وقت مخالف بن گیا اس کی مخالفت سے بہت ضرر پہونچتا ہے اور وہ جو کچھ برائیاں آپ کی کرتا ہے لوگ اُن پر توجہ کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ یہ شخص جو کچھہ کہہ رہا ہے اس کا منشاء محض عداوت نہیں ہے اگر دشمن ہوتا تو سالہا سال تک دوست کیوں بنتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دوستی کے بعد فلاں شخص کے اترے پترے معلوم ہوگئے ہیں اس لئے مخالف ہوگیا (حالانکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو شخص دوستی کے بعد دشمن بنا ہو وہ اترے پترے معلوم کرنے کے بعد ہی دشمن بنا ہو ممکن ہے کہ اس شخص نے دوستی ہی اس نیت سے کی ہو کہ لوگ دوستی کے زمانے میں مجھے اس کا رازدار سمجھہ لیں گے تو مخالفت کی حالت میں جو کچھ کہوں گا اس کو یہ سمجھہ کر قبول کرلیں گے کہ یہ شخص رازدار رہ چکا ہے اس کو ضرور کچھہ ناگوار باتیں معلوم ہوئی ہیں - اس لئے مخالف ہوگیا - چنانچہ بعض یہودنے اسلام کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کا ارادہ کیا تھا - وقال الطائفة من اهل الكتاب آمنوا بالذي انزل على الذين آمنوا وجه النهار واكفروا آخره لعلهم يرجعون ط پس ہرچند دوست کہ دوست کی مخالفت میں یہ احتمال بھی ہے مگر) عادةً لوگ

ع‌ه عبارة مابين القوسين من الجامع ١٢ -

دوستوں کی مخالفت سے عموماً جلد متاثر ہوجاتے ہیں؛ اور اس احتمال پر نظر نہیں کرتے اس لئے عقلاً وشرعاً وقانوناً وہ شخص بہت بڑا مجرم شمار ہوتا ہے جو موافقت کے بعد مخالفت کرے اسلئے شریعت میں مرتد کے لئے دنیوی سزا بھی سخت ہے اور عذاب آخرت بھی اشد ہے۔ اس تقریر سے آیت کے ترجمہ وتفسیر کا بیان تو ہوگیا کیونکہ اس آیت میں اصل مقصود اسلام کی فضیلت ہی کا بیان ہے مگر مجھے اس وقت صرف بیان فضیلت پر اکتفاء مقصود نہیں بلکہ اس پر ایک دوسرے مضمون کو مرتب کرنا ہے جس کو آئندہ بتلاؤں گا۔ اس سے پہلے ایک شبہ عقلی کا جواب دیدینا چاہتا ہوں۔ شبہ یہ ہے کہ شریعت میں کفر کی سزا دائمی عذاب جہنم کیوں ہے حالانکہ سزا مناسب جنایت ہونی چاہئے اور یہاں جنایت متناہی ہے کیونکہ عمر کافر کی متناہی ہے تو سزا بھی متناہی ہونی چاہئے اسکا جواب یہ ہے کہ تمہارا یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ سزا جنایت کے مناسب ہونی چاہئے مگر کیا تناسب کے معنی یہ ہیں کہ جنایت اور سزا دونوں کا زمانہ بھی مناسب ہو اگر یہی بات ہے تو چاہئے کہ جس جگہ دو گھنٹہ تک ڈکیتی پڑی ہو اور ڈاکو گرفتار ہوکر آئیں تو حاکم ڈاکوؤں کو صرف دو گھنٹہ کی سزا دیدے۔ اگر حاکم ایسا کرے تو کیا آپ اس کو انصاف مانیں گے اور سزا کو جنایت کے مناسب مانیں گے؟ ہرگز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سزا اور جنایت میں مناسبت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دونوں کا زمانہ مناسب ومساوی ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سزا میں شدت بقدر شدت جرم ہو اب تم خود فیصلہ کرلو کہ شریعت نے کفر کی سزا میں جو شدت بیان کی ہے وہ شدت جرم کے مناسب ہے یا نہیں اور یہ جرم شدید ہے یا نہیں۔ شاید آپ کہیں کہ جرم شدید تو ہے مگر نہ ایسا شدید کہ اس کی سزا ابد الآباد جہنم ہو۔ میں کہوں گا کہ یہ خیال آپ کو اس لئے پیدا ہوا کہ تم نے صرف فعل کی ظاہری صورت پر نظر کی ہے۔ حالانکہ سزا وجزا کا مدار محض اس کی ظاہری صورت پر نہیں ہے بلکہ نیت کو بھی اس میں بہت بڑا دخل ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اصل مدار نیت ہی پر ہے چنانچہ اگر ایک شخص دھوکہ سے شراب پی لے تو اس کو گناہ نہیں ہوا گو صورت گناہ موجود ہے کیونکہ نیت نہ تھی اور اگر ایک شخص شراب پینے کے لئے دکان پر جائے اور دکاندار بجائے شراب کے کوئی شربت اس کو دیدے جسے یہ شراب سمجھ کر پیئے تو اس کو گناہ ہوگا کیونکہ اس کی نیت تو شراب پینے ہی کی تھی۔ اس لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت کرے مگر وہ اندھیرے میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری بیوی نہیں بلکہ کوئی اجنبی عورت ہے تو اس کو گناہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مجامعت میں تصور کسی اجنبیہ کا کرے یعنی بیوی سے مجامعت کرتے ہوئے یہ

کفر کی دائمی عذاب ہونے پر شبہ عقلی اور اس کا جواب

دوسرا جواب یہ ہے کہ جرم کا مدار صرف ظاہری صورت پر نہیں بلکہ نیت کو بھی دخل ہے

تصور کرے کہ میں گویا فلاں اجنبیہ سے مجامعت کر رہا ہوں اور اس کی صورت ذہن میں حاضر کرکے اس سے لذت لے تب بھی گناہ ہوگا۔ اگر شب زفاف میں عورتوں نے اس کے پاس غلطی سے بجائے اس کی بیوی کے کسی دوسری عورت کو بھیج یا جس کے ساتھ یہ شخص یہ سمجھ کر ہمبستر ہوا کہ یہی میری بیوی ہے تو اس کو گناہ نہ ہوگا اور یہ وطی زنا شمار نہ ہوگی بلکہ وطی بالشبہ ہوگی جس سے ثبوت نسب بھی ہو جاتا ہے اور عدت بھی لازم ہوتی ہے جب یہ بات معلوم ہوگئی تو سمجھو کہ ظاہر میں گو کفر کا فر متناہی ہے مگر اس کی نیت یہ تھی کہ اگر زندہ رہا تو میں ابدالآباد اسی حالت پر رہونگا اس لئے اپنی نیت کے موافق اسکو ابدالآباد جہنم کا عذاب ہوگا اور اسی طرح مسلمان کا اسلام گو بظاہر متناہی ہے مگر اس کی نیت یہ ہے اگر میں ہمیشہ زندہ رہوں تو ہمیشہ اسلام پر مستقیم رہونگا اس لئے اس کے لئے ابدالآباد ثواب جنت ہے اور ایک دقیق جواب یہ ہے کہ کفر سے حقوق الٰہی کی تفویت ہے اور حقوق الٰہی غیر متناہی ہیں تو ان کی تفویت کی سزا بھی غیر متناہی ہونی چاہئے اور اسلام میں حقوق الٰہی کی رعایت ہے اور وہ غیر متناہی ہیں تو اُن کی رعایت کا بدلہ بھی غیر متناہی ہونا چاہئے۔ الحمد للہ اب یہ اشکال بالکل مرتفع ہوگیا۔ اب میں اس مقصود کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو فضیلت اسلام پر مجھے متفرع کرنا ہے اور وہ دو مقصود ہیں ایک راجح ہے اپنی طرف دوسرا راجح ہے دوسروں کی طرف یعنی ایک مقصود لازم ہے ایک متعدی۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسلام کی نعمت جو ہمکو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اس کا مقتضا یہ ہے کہ ہمکو اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم ادنیٰ ادنیٰ نعمت پر تو شکر کرتے ہیں مگر اسلام عطا ہونے پر بہت کم لوگ شکر کرتے ہیں اور نعمت کا ادنیٰ و اعلیٰ ہونا باعتبار اضافت و نسبت کے ہے کہ بعض نعمتیں بعض کے مقابلہ میں ادنیٰ ہیں اور بعض اعلیٰ ہیں ورنہ فی نفسہ کوئی نعمت ادنیٰ نہیں خدا کی نعمتیں سب بڑی ہی ہیں ؎

آسمان نسبت بعرش آمد فرود ✤ لیک بس عالی ست نزد خاک تود

غرض ہم لوگ شادی پر شکر کرتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ لڑکی یا لڑکے کا نکاح بخوبی ہوگیا اس پر احباب بھی مبارکباد دیتے ہیں خود بھی ہر شخص کا دل اس نعمت سے شاداں و فرحاں ہوتا ہے اسی طرح تنخواہ ملنے پر نوکری مل جانے پر شکر کرتے ہیں روٹی کھاکر بھی اللہ تیرا شکر کہہ لیتے ہیں ہر چند کہ ہمارا یہ شکر اس قابل نہیں کہ اس کو شکر کہا جاوے کیونکہ اکثر لوگ دل سے شکر نہیں کرتے صرف زبان سے اللہ تیرا شکر بیساختہ نکل جاتا ہے اور اگر دل سے بھی نکلتا ہو تب بھی

خدا کی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا

وہ شکر ناقص ہی ہے کیونکہ شکر کے تین درجے ہیں دل سے۔ زبان سے۔ افعال و اعمال سے ہم لوگ اول تو محض زبان ہی سے شکر کرتے ہیں اور اگر کوئی دل سے بھی کرتا ہو تو افعال سے شکر کرنے والے تو بہت کم ہیں اور اگر کوئی اعمال سے بھی شکر کرتا ہو جب بھی خدا کی نعمت کا حق ہم سے ادا نہیں ہو سکتا حق تعالے کی ہر نعمت بہت بڑی ہے ایک کا شکر بھی کما حقہ دشوار ہے خصوصاً جبکہ یہ دیکھا جائے کہ خدا تعالے کا یہ انعام ہمارے اوپر ایسی حالت میں ہوا ہے کہ ہم انعام کے قابل نہ تھے بلکہ سزا کے قابل تھے۔ ہمارے ساتھ جو خدا کا معاملہ ہے اُس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے ساتھ جو ہمارا برتاؤ ہے اس کو کسی اور آقا کے ساتھ کر کے دیکھا جائے تب حقیقت معلوم ہو کہ ہم حقیقت میں زمین کے اندر گاڑ دئے جانیکے قابل تھے مگر پھر بھی وہاں سے انعام ہی ہوتا ہے پھر نعمت بھی ایک نہیں بلکہ واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃً و باطنۃً حق تعالے کی طرف سے ہمکو ظاہری و باطنی نعمتیں بیشمار عطا ہوتی ہیں۔ باطنی نعمت سے وہ مراد نہیں جسکو تصوف کی اصلاح میں باطنی نعمت کہا جاتا ہے تاکہ یہ شبہ پیدا ہو کہ ہم سب اہل باطن صوفی ہوگئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعضی نعمتیں محسوس ہیں بعض غیر محسوس ہیں نعمت ظاہرہ سے محسوس مراد ہیں اور باطنہ سے غیر محسوس جس کی ایک فرد وہ بھی ہے جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں نعمت باطنی کہتے ہیں۔ مگر سب میں اُس کا وجود ضروری نہیں کیونکہ یہاں یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ تمام نعم ظاہرہ اور تمام نعم باطنہ ہر شخص کو عطا ہوئی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو نعم ظاہرہ و باطنہ سے کچھ حصہ ضرور ملا ہے جس کے لئے یہ لازم نہیں کہ ہر شخص میں سب کی سب مجتمع ہوں بہرحال ہر شخص کو ظاہری اور باطنی نعمتیں بمقدار کثیر حاصل ہیں تو جب ایک نعمت کا شکر ہم سے ادا نہیں ہو سکتا تو مقدار کثیر کا شکر کیونکر ادا ہو سکتا ہے یہ تو حقیقت کے اعتبار سے ہے مگر حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ ہم سے شکر حقیقی کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ اُسی قدر کا مطالبہ فرماتے ہیں جتنا ہم سے ہو سکتا ہے مگر افسوس کہ ہم اُتنا بھی نہیں کرتے کوئی محض شکر لسانی پر اکتفا کرتا ہے کوئی محض قلبی پر کوئی دونوں کو جمع کرتا ہے تو اعمال میں کوتاہی کرتا ہے مگر خیر جیسا شکر بھی ہم کرتے ہیں وہ دنیوی نعمتوں کے ظہور کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ نعمت اسلام پر کوئی شکر نہیں کرتا حالانکہ یہاں اتنا مجمع موجود ہے ہر شخص اپنے دل میں غور کرے کہ چوبیس گھنٹہ میں کوئی ساعت بھی ایسی ہوتی ہے جس میں ہر شخص خدا تعالے کا اس لئے شکر کرے کہ اُس نے ہمکو مسلمان بنایا۔ اسلام و ایمان عطا کیا۔ مسلمانوں کے گھر پیدا کیا

غالباً کوئی شخص بھی ایسا نہ نکلے گا الا ماشاء اللہ۔ تو یہ ہماری کتنی بڑی کوتاہی ہے کہ ایسی نعمت پر شکر کی توفیق ہمکو نہیں ہوتی جس سے بڑی کوئی نعمت نہیں اور مرنیکے بعد ہمیشہ کی نجات کا مدار اسی پر ہے بھلا اگر یہ نعمت سلب ہو جاوے (خدانخواستہ) تو پھر ہمارا کہاں ٹھکانا رہے گا جب یہ اتنی بڑی نعمت ہے تو اس کا شکر نہ ادا کرنا بڑی غفلت ہے امام ابوحنیفہ رح کا ارشاد ہے کہ اگر ایمان پر خاتمہ چاہتے ہو تو ہمیشہ نعمت ایمان پر خدا کا شکر کرتے رہو کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم میرا شکر کروگے تو میں نعمت کو بڑھاؤں گا اُسے زیادہ کروں گا سبحان اللہ یہ نہیں فرمایا لئن شکرتم لا اسلبنکم یا لا انقصنکم کہ اگر شکر کروگے تو میں نعمت سلب نہ کرونگا یا کم نہ کرونگا بلکہ لازیدنکم فرمایا جس میں زیادت کا وعدہ ہے وعدۂ زیادت سے نقصان کی نفی ہوگی اور نفی نقصان سے سلب کی نفی بدرجۂ اولی ہوگئی کیا بلاغت ہے کہ ایک لفظ ایسا فرما دیا جس سے نقصان و سلب دونوں کی نفی بھی ہوگئی اور ترقی کا وعدہ بھی ہوگیا کوئی کلام ایسا بلیغ ہے جس کے ایک لفظ سے اتنے حقائق حاصل ہوتے ہوں اگر خدا فہم دے تو قرآن کا لفظ لفظ اعجاز سے بھرا ہوا ہے۔ جب شکر پر وعدۂ زیادت ہے تو جو شخص نعمت ایمان پر شکر ادا کرتا رہے گا اس کا ایمان کبھی زائل یا کم نہ ہوگا بلکہ دن بدن بڑھتا رہے گا پس یہ ورد دستور العمل بنانے کے قابل ہے اگر اپنا ایمان دنیا سے سلامت لیجانا چاہتے ہو تو ایمان کا شکر کبھی نہ بھولو۔ اللہم فلک الحمد ولک الشکر علی ما ادلیتنی من نعمۃ الاسلام و لک الحمد ولک الشکر علی ما اکرمتنی بنعمۃ الایمان اللہم توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا مفتونین آمین ۱۲ - جامع

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ میری امت غافل ہے یہ از خود ایمان و اسلام کا شکر بہت کم ادا کرے گی اس لئے حضور نے بعض دعائیں ہمکو ایسی تعلیم فرمائیں جن میں اسلام کا شکر بھی ادا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کھانے کے بعد کے لئے یہ دعا تعلیم فرمائی۔ الحمد للہ الذی اطعمنی وسقانی وجعلنی من المسلمین خدا کا شکر ہے جس نے مجھکو کھلایا اور پلایا اور مجھے مسلمانوں میں داخل کیا۔ کھانے کے ذیل میں اسلام پر شکر کی تعلیم فرمانے میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ اس میں اشارۃً بتلایا گیا ہے کہ تم ایسے نہیں ہو جو مستقلاً اسلام کا شکر ادا کرو اس لئے بچوں کی طرح روٹیوں کے بعد شکر اسلام کی تعلیم فرمائی کہ میاں اور کسی وقت شکر نکرو تو روٹیاں کھانے کے بعد تو اسلام کا شکر ادا کر لیا کرو کیونکہ اسوقت ایک ظاہری نعمت تمہارے سامنے ہوتی ہے اس کا شکر تو طبعاً ادا کروہی گے اس کے ساتھ ساتھ نعمت اسلام کا شکر بھی ادا کر لو جس سے یہ سب کھانا پینا بھی نعمت ہوگیا اور اسلام

کی بدولت آخرت میں بھی تم کو یہ نعمتیں نصیب ہوں گی اگر نعمت اسلام نہ ہوتی تو کھانا پینا سب وبال جان ہوتا اور اس کی لذت چند روزہ ہوتی ۔ پس روٹیوں کے ساتھ شکر اسلام تعلیم فرمانا ایسا ہے جیسے بچوں کو بتاشہ میں دوا دیتے ہیں۔ افسوس ہم ایسے غافل ہیں کہ حضور ہم کو بچوں کی طرح بہلا پھسلا کر شکر اسلام کی تعلیم فرما رہے ہیں اور اسی طرح اپنے کھانے کے میل میں کھانے کے بعد حضور نے ایک اور مفید دعا بھی تعلیم فرمائی ہے کہ جب کسی دوسرے کے گھر کھانا کھاؤ تو یوں کہو اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی ۔ یعنی دعوت کرنے والے کو دعا دو کہ اے اللہ جس طرح اس نے ہمکو کھلایا پلایا ہے آپ بھی اس کو ہمیشہ کھلاتے پلاتے رہیں (یا جنت کے طعام و شراب سے ممتاز فرماویں) حضور کی تو یہ تعلیم ہے مگر یہاں یہ عادت ہے کہ کھلانیوالے کو دعا تو کیا دیتے اس کا شکر تو کیا ادا کرتے اُلٹا کھانے میں عیب نکالتے ہیں ۔خصوصاً رسوم کے کھانوں میں تو اکثر یہی ہوتا ہے ایک بنئے نے اپنی لڑکی کی شادی میں بہت بڑی بارات بلائی تھی اور دعوت کا سامان بہت بڑھیا کیا تھا اس کے علاوہ چلتے ہوئے ہر باراتی کو ایک ایک اشرفی بھی دی تھی یہ سب کچھ کرکے اس کو خیال ہوا کہ آج بارات والے میری خوب تعریف کرتے جاتیں گے وہ اپنی تعریف سننے کے لئے اُس راستہ میں چھپکر بیٹھ گیا جہاں سے بارات گذر رہی تھی مگر وہاں بالکل سناٹا تھا کسی نے بھی تو بنئے کی دریا دلی کی داد نہ دی آخر بہت دیر کے بعد ایک گاڑی میں سے آواز آئی کہ کوئی شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ بھائی لالہ جی نے بڑی حوصلہ کی دعوت کی اچھے اچھے کھانے کھلائے اور چلتے ہوئے ایک ایک اشرفی دی تو دوسرا کیا کہتا ہے کہ میاں کیا کیا سُسر کے یہاں اشرفیوں کے کوٹھے بھرے پڑے ہیں دو دو بانٹ دیتا تو اس کے کیا کمی آجاتی لیجئے ایک ایک اشرفی بانٹ کر تو سُسرے کا خطاب ملا زیادہ بانٹتا تو نہ معلوم کیا خطاب ملتا اسی لئے محققین نے کہا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو طالب جاہ ہو کیونکہ یہ کمال محض وہمی انتزاعی ہے اور انتزاعی بھی ایسا جو اس شخص کے ساتھ خود قائم نہیں بلکہ دوسرے کے خیال کیساتھ قائم ہے کیونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظروں میں معزز ہونیکا جس کا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے ۔جو کہ اپنے وجود میں خود اوس دوسرے کے تابع ہے وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے مگر طالبِ جاہ خوش ہے کہ آہا لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں۔ جیسے چوہا خوش ہوتا ہے کہ بنئے کی دکان میں میرے واسطے غلہ آیا ہے جی ہاں ذرا منہ تو ڈالو۔ ابھی چوہے دان آتا ہے جس سے ساری خوشی کرکری ہو جائیگی ۔ اسی طرح دوسرے شخص کا اپنا خیال

کھانے کے شکر کی اسلامی تعلیم اور دعوت کے بعد دعا

طالب جاہ کو بزرگوں نے احمق کہا ہے اور جاہ کی حقیقت کا بیان

بدل دینا یہ جاہ سے سئے چوہے دان ہے ایک نقص تو جاہ میں یہ ہے کہ وہ سراسر دوسرے کے
تابع ہے وہ ایسا کمال نہیں جو اپنے قبضہ کا ہو دوسرا نقص یہ ہے کہ اس سے نفع جو حاصل ہوتا ہے
وہ محض وہمی ہے یعنی بڑائی اور عزت - کیونکہ عزت اور بڑائی سے نہ گھر میں روپیہ آتا ہے نہ جائداد
بڑھتی ہے محض دل خوش کرلو ورنہ جاہ سے تو اچکن میں ایک بٹن بھی نہیں لگتا اور جو لوگ جاہ سے
نفع مالی حاصل کرتے ہیں جیسے بعض لوگ بڑا بن کر غریبوں سے بیگار لیتے ہیں یا جا و بیجا فرمائشیں کرتے رہتے
ہیں اُن کی جاہ بہت جلد زائل ہو جاتی ہے غرض اس سے بدون خیالی نفع کے اور کچھ فائدہ نہیں ایک رئیس نے
دیوبند میں بڑی دھوم دھام کی دعوت کی تھی جس میں بڑا روپیہ صرف ہوا تھا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی
رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت کے بعد اُن رئیس صاحب کو اس فراخ حوصلگی کی داد اس طرح دی کہ شیخ صاحب آپ نے بڑی حوصلہ
کا کام کیا مگر افسوس یہ ہے کہ اتنا روپیہ خرچ کرکے آپ نے ایسی چیز خریدی جو بازار میں پھوٹی کوڑی کو بھی نہیں بک
سکتی یعنی نام - اور اگر بدنامی ہوگئی تو وہ خیالی جاہ بھی جاتی رہی - بس جاہ کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی
منہیار پوٹلا باندھے ہوئے چوڑیوں کا لیجا رہا تھا ایک گنوار نے لاٹھی کا کھودا مار کر پوچھا کہ میاں اس
میں کیا ہے (گاؤں والوں کی عادت ہے کہ وہ لاٹھی مار کر پوچھا کرتے ہیں) اس منہیار نے جواب دیا
کہ اس میں ایسی چیز ہے کہ ایک کھودا اور مار دو تو کچھ بھی نہیں - اسیطرح جاہ ایسی چیز ہے کہ ذرا سی ٹھیس
میں جاتی رہتی ہے اس لئے جو لوگ نام کیواسطے روپیہ برباد کرتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں اور اس سے
بڑھ کر غلطی کھانے والوں کی ہے کہ وہ دوسرے کا مال کھا کر شکر نہیں ادا کرتے نہ اُسے دعا دیتے ہیں -
ہاں آجکل مردوں کو فاتحہ میں دعا دیجاتی ہے وہاں بھی کھلانے والے کو کوئی دعا نہیں دیتا - حالانکہ پہلے
کھلانیوالے کو دعا دینی چاہئے اگر وہ نہ کھلاتا تو مردوں کو ثواب کیسے پہونچتا بلکہ کھانیوالوں کو بھی دعا دینی
چاہئے اور ان کا مشکور ہونا چاہئے کیونکہ وہ نہ کھاویں تب بھی مردوں کو ثواب نہیں پہونچ سکتا - میرٹھ
میں ایک لطیفہ ہوا کسی جگہ مردوں کی فاتحہ دیجا رہی تھی اور ایک لمبی فہرست پڑھی جارہی تھی جس میں نمبروار
مردوں کے نام درج تھے جب فہرست کے ختم ہونے میں دیر لگی تو ایک صاحب بولے کہ میاں اس میں
ہمارا نام بھی تو لکھا ہوتا کیونکہ خدا کی قسم اگر ہم نہ کھاویں تو ان میں سے ایک کو بھی تو ثواب نہ ملیگا اس پر سب
سب لوگ ہنس پڑے اور وہ فہرست مختصر کی گئی - ان رسوم میں ایک ایسی بات ضرور موجود ہوتی ہے جو انکے
لغو و باطل ہونے پر خود دلالت کرتی ہے - چنانچہ کھانے سے پہلے مُردوں کا نام ترتیب وار لیا جاتا یہ محض لغو
حرکت ہے آخر یہ نام کسے سنائے جا رہے ہیں اگر کھانے والوں کو سنائے جاتے ہیں کہ تم ان لوگوں کی
نیت کرکے کھانا تو ظاہر ہے کہ کھانے والے جب ہاتھ دھو کر بیٹھتے ہیں ان کو سوا کھانے کے اور کچھ یاد نہیں

رہتا اور نہ اتنی لمبی فہرست یاد رہ سکتی ہے اور اگر خدا کو سنانا ہے تو اس کا لغو ہونا بالکل ظاہر ہے خداتعالیٰ کو تو ہر شخص کی نیت کا حال معلوم ہے اُن کو سنانیکی کیا ضرورت ہے مگر پھر بھی بعض لوگ اپنی اغراض کیلئے فاتحہ وغیرہ کو دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب کہنے لگے کہ مولوی خواہ مخواہ فاتحہ کا انکار کرتے ہیں حالانکہ سورہ فاتحہ خاص اسی واسطے اتری ہے ۔ چنانچہ اس کا نام ہی فاتحہ ہے سبحان اللہ کیا پاکیزہ دلیل ہے پھر یہ لوگ علماء سے بحث کر کے دقائق علمیہ کو سمجھنا چاہتے ہیں اور جب نہیں سمجھتے تو علماء پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ ہمکو سمجھا نہیں سکتے ۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کھانے کے بھی سب آداب بتلائے ہیں جن میں ضمناً اسلام پر بھی شکر کی تعلیم فرمائی ۔ اب سمجھئے کہ شکر کے معنی ہیں قدردانی کے اسیواسطے خدا تعالےٰ کا نام شکور ہے کہ وہ اعمال کی قدر کرتے ہیں ۔ قدر کی دو صورتیں ہیں اگر یہہ شخص حاجتمند ہے تو اس کی قدر تو یہ ہے کہ اُس سے منفعت حاصل کرے اور منعم کا احسانمند ہے اور اگر حاجتمند نہیں ہے تو اُس کی قدر یہ ہے کہ اُس فعل کی جزا و صلہ عطا کرے ۔ چنانچہ حق تعالیٰ کو شکور اسی معنی کے اعتبار سے کہتے ہیں ان کی قدردانی یہی ہے کہ وہ بندوں کے اعمال کا صلہ دیتے ہیں اور بندہ کی قدردانی یہ ہے کہ وہ خداتعالیٰ کی نعمتوں سے وہ منافع حاصل کرے جن کے لئے وہ موضوع ہیں مثلاً روٹی کی قدر یہ ہے کہ اُسے کھاؤ پانی کی قدر یہ ہے کہ پیو اور برف کی قدر یہ ہے کہ اُس سے ٹھنڈک حاصل کرو اگر کوئی شخص برف کو پانی میں گھول کر معمولی بوتل کے اندر رکھدے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے برف کی قدر نہیں کی یعنی جس منفعت کے لئے وہ موضوع تھا اس سے وہ نفع حاصل نہ کیا اس لئے ناقدری کی ۔ اسی طرح اسلام کا شکر یہ ہے کہ اس کی قدر کرو اور قدر یہ ہے کہ اُس کی برکات و منافع حاصل کرو ۔ اب سنو کہ اسلام کے منافع کیا ہیں سو سمجھنا چاہئے کہ اسلام کے دو درجے ہیں ایک درجہ تلفظ و اقرار شہادتین کا ہے کہ خدا کو وحدہ لاشریک سمجھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرے یہ تو ادنیٰ درجہ ہے اور ادنیٰ کے معنی یہ ہیں کہ ایسا ضروری ہے کہ اس کے بغیر نجات ہو ہی نہیں سکتی یہ برکت تو ادنیٰ درجہ سے حاصل ہو جاتی ہے کہ اُس کی بدولت کسی نہ کسی وقت جہنم سے چھٹکارا ہو جاویگا اور ایک درجہ اس سے اعلیٰ ہے کہ شہادتین کا اقرار کر کے فرائض و واجبات اسلامیہ کی پابندی بھی کی جاوے اس سے نجات کامل حاصل ہوتی ہے کہ بدون عذاب کے جنت میں جانا نصیب ہوتا ہے اور بڑے بڑے درجات ملتے ہیں تو معلوم ہوا کہ نجات کامل کیلئے تکمیل اسلام کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شخص نجات کامل ہی کا متوقع ہوتا ہے ۔ مقدمات میں ہر شخص کو یہی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح بدون سزا و جرمانہ کے رہائی ہو جاوے اس کا متوقع

شکر کے معنی اور اقسام

شکر اسلام کے معنی اور اسلام کے درجات

کوئی نہیں ہوتا کہ بس رہائی ہو جائے خواہ سزا ہی کے بعد سہی اسی طرح ہر مطلوب میں انسان کو درجۂ کمال ہی مطلوب ہوتا ہے تو اسلام میں بھی درجۂ کمال مطلوب ہونا چاہئے دیکھئے مکان دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہے جس میں گوندے کی دیواریں ہیں نیچی چھت ہے نہ ہوا کا آرام نہ دھوپ کا پاخانہ باورچیخانہ سب ایک ہی جگہ آس پاس ہیں اور ایک وہ مکان ہے جسکا صحن وسیع ہے ہوا کا بھی آرام ہے اور دھوپ کا بھی - دیواریں بھی مضبوط ہیں چھت بھی اونچی ہے غسلخانہ بھی ہے ہوا کے لئے روشندان اور کھڑکیاں بھی ہیں - تمام ضروریات اعلیٰ پیمانہ پر ہیں پھر اُس میں زینت و آرائش بھی ہر قسم کی ہے - خود فیصلہ کر لیجئے کہ مطلوب کونسا مکان ہوگا اِسی طرح کپڑا ایک تو وہ ہے جو بدنما بدصوت ہونے کے ساتھ اتنا کم ہے جس کو کفن کی طرح لپیٹ لیا جائے (یعنی بدن ڈھانکنے سے قاصر ہے) ایک وہ کپڑا ہے جس سے بدن بخوبی چھپ سکتا ہے خوشنما خوبصورت ہے عمدہ سلا ہوا ہے ظاہر ہے کہ ہر شخص کو ایسا ہی کپڑا مطلوب ہوگا نہ پہلا تو دنیوی امور میں ہر شخص درجۂ کمال کا طالب ہے - درجۂ نقصان پر کوئی اکتفا نہیں کرتا بلکہ کمال کی کوشش کرتا ہے مگر دینی کاموں میں ہماری یہ حالت ہے کہ درجۂ نقصان پر راضی ہیں حصول کمال کی کوشش نہیں کرتے چنانچہ بہت لوگ اسلام میں درجۂ ادنےٰ یعنی تلفظ شہادتین پر اکتفا کئے ہوئے ہیں اور نماز وغیرہ کی پروا نہیں کرتے اس میں علاوہ اس خرابی کے کہ اُن کا اسلام ناقص ہے اور فرائض ترک کرنے سے عذاب ہونیکا اندیشہ ہے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایسے مسلمانوں پر دشمنوں کے دندان آز تیز ہوتے ہیں - تجربہ ہے کہ مخالف کو اُس مسلمان کے بہکانیکی جرأت ہوتی ہے جس کا اسلام ناقص ہے - کافر اُسی مسلمان کو اپنے پھندے میں لانے کی کوشش کر سکتا ہے جس کا اسلام کامل نہیں بلکہ برائے نام ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جن لوگوں کا اسلام کامل ہے اُن پر میرے اغوار کا اثر نہیں ہو سکتا - ہاں جو لوگ نام کے مسلمان ہیں کہ سوائے اپنے کو مسلمان کہنے کے اور کوئی بات اسلام کی اُن کے اندر موجود نہیں وہ جلد ہمارے بہکانے میں آسکتے ہیں اس لئے وہ ایسے لوگوں پر اپنے دانت تیز کرتے ہیں چنانچہ آجکل جو فتنۂ ارتداد چل رہا ہے اُس کے شکار ایسے ہی مسلمان ہو رہے ہیں جن کو نہ کلمۂ توحید یاد ہے نہ نماز روزہ کے پابند ہیں نہ صورت و وضع مسلمانوں کی سی ہے نہ معاشرت مسلمانوں جیسی ہے صورت سے کوئی شخص ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتا مگر چونکہ وہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور ان کے آبا و اجداد بھی مسلمان تھے اس لئے شرعاً وہ مسلمان ہیں اور ان کے اسلام کی حفاظت ہمارے ذمہ ضروری ہے - بہر حال تکمیل اسلام کی ضرورت عذاب سے بچنے کے لئے تو ہے ہی

مخالفوں کے پھندوں سے بچنے کے لئے بھی اس کی ضرورت ہے اگر دفعۃً پوری تکمیل نہ ہو سکے تو چند
باتوں کی ضرورت تو بہت سخت ہے ایک یہ کہ سب مسلمان نماز کی پابندی شروع کر دیں تجربہ ہے
کہ نمازی کو کوئی شخص بہکانیکی جرأت نہیں کر سکتا جس مسلمان کو کفار نماز کا پابند دیکھتے ہیں اُس سے
بالکل مایوس ہو جاتے ہیں کہ یہ کبھی ہمارے بہکانے میں نہیں آسکتا کیونکہ وہ اُس کو پکا مسلمان
سمجھتے ہیں پس خدا کے لئے تم نماز کی پابندی تو ابھی سے شروع کر دو۔ یہ اسلام کا بڑا پہرہ دار
ہے۔ واقعی ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر کی ایک تفسیر ابھی سمجھ میں آئی مشہور
تفسیر تو یہ ہے کہ نماز مسلمان کو بُرے کاموں سے روک دیتی ہے اس پر ظاہر میں اشکال پڑتا
ہے کہ ہم تو بہت نمازیوں کو بُرے کام کرتے دیکھتے ہیں اور اُس کا جواب دیا گیا ہے کہ نماز سے
بُرے کام ضرور کم ہو جاتے ہیں اگر اس شخص کی نماز کامل ہے خشوع و خضوع و جملہ آداب
کے ساتھ ہے تب تو یہ شخص بالکل بُرے کاموں سے محفوظ ہو جائیگا اور اگر اس کی نماز ناقص
ہے تو جیسی نماز ہے اُسی کے مناسب بُرے کام چھوٹ جائیں گے۔ غرض جس درجہ کی نماز ہوگی
اُس درجہ کی نہی عن الفحشاء ہوگی تجربہ کر لیا جائے کہ دو جماعتوں کا امتحان کر کے دیکھو۔
ایک وہ جو بالکل بے نمازی ہے دوسرے وہ جو نمازی ہے (گو اُن کی نماز کسی درجہ کی ہو)
یقیناً نمازی جماعت کے اندر بُرے کام کم ہوں گے اور بے نمازیوں میں اُن کی نسبت سے
زیادہ ہونگے تو مشہور تفسیر پر اشکال واقع ہوتا تھا جس کا جواب دینے کی ضرورت ہوئی مگر جو تفسیر اسوقت
القا ہوئی ہے اسپر کوئی اشکال نہیں پڑتا وہ یہ کہ نماز اہل فحشاء و منکر کو نمازی کے پاس آنے
اور اُس کے بہکانے سے روک دیتی ہے اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے حضور صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذان سے شیطان گوز مارتا ہوا بہت دور بھاگ جاتا ہے اور اس کا اقرار
کفار کو بھی ہے چنانچہ مندر کے پاس اذان دینے سے وہ لوگ روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اذان
کی آواز سے ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں۔ ایک راجہ کے یہاں ہندو پنڈتوں نے استغاثہ
دائر کیا تھا کہ مسلمانوں کی مسجد مندر کے پاس ہے جس میں وہ اذان دیتے ہیں اُن کو اس سے
منع کیا جاوے کہ زور سے اذان نہ کہا کریں ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں۔ راجہ نے وزیر سے
کہا کہ ہمارا ایک گھوڑا توپ کی آواز سے چونکتا تھا تو ہم نے اس کی چمک نکالنے کے لئے یہ تدبیر
کی تھی کہ اس کو توپ کے پاس رسوں سے بندھوا کر خوب توپ چلانے کا حکم دیا تھا جس سے
اس کی چمک جاتی رہی تھی تو ہمارے دیوتا اگر اذان سے بھاگتے ہیں تو یہ ہمکو بہت مضر ہے

مسلمان جب چاہا کریں گے ان کو بھگا دیا کریں گے لہٰذا ان کی چمک نکالنی چاہئے اور مسلمانوں سے کہنا چاہئے کہ خوب زور سے اذان دیں یہ تو ہمارے ہی واسطے مفید ہے۔ غرض جب کفار کے دیوتا اذان سے بھاگ جاتے ہیں تو جس گاؤں میں اذان ہوگی وہاں کفار بھی نہ آسکیں گے اور اگر آویں گے بھی تو اُن کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ پس یہ تفسیر اس آیت کی بہت عمدہ لطیف ہے اور واقعی اس پر کوئی بھی اشکال نہیں۔ چنانچہ اسوقت جو لوگ بھی دشمنوں کے بہکانے سے مرتد ہوئے ہیں یہ وہی ہیں جن کو نماز سے کچھ علاقہ نہ تھا اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ فتنۂ ارتداد سے بچنے کے لئے خود بھی نماز کی پابندی شروع کریں اور دیہات میں بھی مسلمانوں کو نمازی بنانیکی کوشش کریں حفاظت اسلام کے لئے ایک تو یہ عمل ضروری ہے۔

حفاظت اسلام کیلئے دوسرے عمل کی ضرورت

دوسرا کام یہ کریں کہ کسی بزرگ اللہ والے سے تعلق پیدا کرلیں یعنی اُس سے بیعت ہو جائیں یہ عمل بھی حفاظت اسلام کے لئے بڑا اسنگین پہرہ دار ہے۔ میرے ایک دوست کانپور میں ستھے (جو مجھ سے بیعت بھی ہیں) اُن کے پڑوس میں مشن کا ایک عیسائی رہتا تھا وہ کمبخت روز اُن سے مذہبی گفتگو کرتا تھا اور اسلام سے بہکانا چاہتا تھا ایک دن اُن دوست نے باتوں میں اُس سے یہ کہدیا کہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب کا معتقد ہوں۔ بس یہ سن کر پھر کبھی وہ اُنکے پاس آکر نہ پھٹکا اور دوسروں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ عیسائی یہ کہتا تھا کہ جو لوگ بزرگوں سے تعلق رکھتے ہیں اُن پر ہمارا داؤں نہیں چلتا واقعی حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کو جماعت میں شامل رہنا چاہئے کیونکہ بھیڑیا اُسی بکری کو پھاڑتا ہے جو گلہ سے الگ ہو جاوے مشہور ہے کہ بھیڑیا گلے پر حملہ نہیں کرتا بلکہ جب کوئی بکری گلہ سے الگ ہوتی ہے اُسے پھاڑ کھاتا ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ والوں سے تعلق پیدا کریں اور اُن کے سلسلہ میں داخل ہو جاویں۔ اس عمل میں دفع بلا کی بڑی برکت ہے پھر تم کو کوئی بہکانے نہ آئیگا اور اگر کوئی آوے تو تم اُس سے کہدو کہ ہم تو فلاں بزرگ سے بیعت ہیں جو طریقہ اُن کا ہے وہی طریقہ ہمارا ہے اگر تم کو کچھ کہنا ہے تو اُنسے جاکر کہو اُن کو سمجھا لو اگر وہ اپنا طریقہ بدل دینگے تو ہم بھی بدل سکتے ہیں ورنہ ہم تو اُنہی کے ساتھ رہینگے بس بزرگوں کا نام سنکر پھر کبھی وہ تم کو بہکانے نہ آوے گا اور بزرگوں سے تعلق پیدا کرکے مہینہ دو مہینہ میں اُن کے پاس بھی جانا چاہئے اُن کی صحبت سے نور ایمان کو ترقی اور اسلام کو پختگی حاصل ہوگی۔ پس حفاظت اسلام کے لئے یہ دو عمل ہوئے۔ ایک نماز دوسرے کسی بزرگ سے تعلق پیدا کرنا۔

حفاظت اسلام کیلئے تیسرے عمل کی ضرورت

ایک تیسرا ضروری عمل اور ہے وہ گائے کا گوشت کھانا ہے۔ گائے کا گوشت کھانیکو

کوئی ہندو نہیں بہکا سکتا۔ بکری کا گوشت کھانے تک تو بکری احتمال رہتا ہے مگر گائے کا گوشت کھانے کے بعد پھر کچھ ڈر نہیں رہتا اور اگر اُس کو ذبح کرنے لگو پھر تو تمہاری صورت دیکھ کر منہ وبھاگنے لگیں گے چنانچہ ہندوستان میں جن لوگوں کا پیشہ گائے ذبح کرنا ہے اُنپر ہندوؤں کو کسی وقت یہ طمع نہیں ہوسکتی کہ وہ ہمارے بہکانے میں آسکتے ہیں۔ ایک ظرافت کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ ریل کے سفر میں ہمارے ایک دوست نے گائے کے ہڈے سے پستول کا کام لیا تھا۔ ریل میں مسافروں کا ہجوم بہت تھا ایک ایک ڈبہ میں چالیس سے اوپر آدمی بھرے ہوئے تھے۔ جب پھر بھی آدمکم نہ ہوئی تو ان حضرت نے کھانیکا دسترخوان بچھا لیا جس میں گائے کا گوشت تھا۔ ہندو آتے اور گائے کا گوشت دیکھ کر رام رام کہتے ہوئے وہاں سے چل دیتے جب کھانا کھا چکے تو ہمارے دوست نے ایک بڑا سا ہڈا ہاتھ میں لے لیا اور جو ہندو آتا اُسے وہ ہڈا دکھا دیتے کہ یہاں جگہ نہیں آگے جاؤ اُس ہڈے کی صورت دیکھتے ہی کوئی ہندو وہاں نہ ٹھیرتا اس لئے اس کا نام پستول رکھا گیا تو جس چیز کی صورت سے کفار بھاگتے ہیں اُس کو تم کھانے لگو گے تو پھر وہ تمہارے پاس کب آنے لگے بس گائے کا گوشت کھانے دیتے تم بےفکر ہو کر جنت سے گاؤ تکیے سے کمر لگا کر بیٹھ جاؤ گے بجد التجربہ نے بتلا دیا کہ ہندوستان میں گائے کا گوشت کھانا ہی کامل مسلمان ہونا ہے بدون اسکے یہاں اسلام کی تکمیل نہیں ہوتی چنانچہ جو لوگ گائے کا گوشت نہیں کھاتے ہندو اُنکے فعل کو اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ انکی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسلمان خوشی سے نہیں ہوئے اسلئے اسلام سے بعد بھی اپنی اصلی حالت پر قائم رہے گویا ہندوؤں نے اس قول میں خود اقرار کر لیا کہ کامل مسلمان وہی ہے جو گائے کا گوشت کھاتا ہے اور جو گائے کا گوشت نہیں کھاتا اس کو وہ لوگ بھی ہندوؤں سے قریب اور مسلمانوں سے بعید سمجھتے ہیں پھر اب ذبح گاؤ کے شعارِ اسلام ہونے میں کیا شبہ رہا۔ شعارِ اسلام کے اور کیا سینگ ہوتے ہیں بس جو چیز عام طور پر اسلام و کفر میں امتیاز پیدا کرنیوالی ہو وہی شعار اسلام ہے اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمان کو ہندوؤں سے امتیاز گائے کے ذبح اور اس کا گوشت کھانے ہی سے ہوتا ہے اور اسوقت تجربہ نے بتلا دیا کہ جو لوگ اس شعارِ اسلام کے تارک تھے۔ زیادہ تر وہی فتنۂ ارتداد کے دام میں مبتلا ہو رہے ہیں اور جو اس شعار کو اختیار کئے ہوئے ہیں اُن کی طرف کوئی رُخ بھی نہیں کرتا تو یہ علاوہ شعار اسلام ہونے کے بڑا سنگین پہرہ دار بھی ہے جیسے ابھی میں نے قصہ بیان کیا کہ ہمارے ایک دوست نے گوشت کے ہڈے کو پستول بنایا تھا۔ واقعی یہ پستول سے بھی زیادہ کارآمد ہے کہ مشرکین اس کی صورت سے بھاگتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آجکل بعض علماء کو بھی ذبح گاؤ کے شعار اسلام ہونے میں شک ہے مگر یہ وہ علماء ہیں جو محض الفاظ

ذبح گاؤ کا شعار اسلام ہونا اور اس کا بڑا نفع

کے جاننے والے ہیں اور دین کی فہم سے بالکل کورے ہیں۔ گو بات تو کہنے کی نہیں ہے مگر ضرورت کی وجہ سے کہتا ہوں کہ آجکل بہت سے عالم محض الفاظ کے عالم ہیں جن کا فہم درست نہیں محض کتابیں ختم کر کے عالم کہلانے لگے بعض کی تو یہ حالت ہے کہ درسیات سے فارغ ہوگئے ہیں مگر کتابیں سمجھکر نہیں پڑھیں اور جنہوں نے کتابیں سمجھ کر پڑھی ہیں اُن کا علم بھی ہنوز کتابی علم ہے جو اسرار شریعت سمجھنے کے لئے ناکافی ہے۔ یاد رکھو اس سے کچھ کام نہیں چلتا کہ دو چار آدمی تمکو مولانا اور مولوی کہنے لگے۔ ؎

بثنائے بصاحب نظرے گوہر خود را ✤ عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

جہلار کی تعظیم و تکریم اور اُن کے مولوی کہنے سے تم سچ مچ مولوی نہیں ہوسکتے بلکہ ضرورت اس کی ہے ؎

قال را بگذار و مرد حال شو ✤ پیش مرد کاملے پامال شو

نور فہم تقویٰ اور حال سے پیدا ہوتا ہے اور حال پیدا ہوتا ہے کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے سے کیونکہ یہ نفس بدون اس کے سیدھا نہیں ہوتا۔ جبتک اپنے کو کسی کامل کے اس طرح سپرد نہ کروگے کہ وہ تمہاری ذات میں جو چاہے تصرف کرسکے اسوقت تک شہوات و اغراض نفسانیہ سے نجات نہیں ہوسکتی یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء نے دین کو اغراض کے تابع کر رکھا ہے کہ جب موقع و محل دیکھا اُسی کے موافق فتوے تراش لئے۔ بھلا ایسا علم بھی کچھ کام دیسکتا ہے یہ علم ابن آدم پر خدا کی حجت ہے جس کی وجہ سے آخرت میں جہلار سے زیادہ اسپر مواخذہ ہوگا۔ بعض لوگوں کو معالجۂ نفس کا کچھ خیال بھی ہوتا ہے تو وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے عمل شروع کرتے ہیں اور کتابیں دیکھ دیکھ کر مجاہدات و ریاضات میں مشغول ہوجاتے ہیں مگر یاد رکھو کہ کتابی نسخوں سے شفا حاصل نہیں ہوسکتی اگر اس طرح شفا ہوجایا کرتی تو دنیا میں ایک بھی مریض نہ رہتا کیونکہ طب کی کتابیں بیشمار موجود ہیں اردو میں بھی اُن کے ترجمے ہوگئے ہیں جن میں ہر قسم کے امراض کا علاج درج ہے بس ہر شخص کتابیں دیکھ کر علاج کر لیا کرتا طبیبوں کی ضرورت نہوا کرتی مگر تجربہ شاہد ہے کہ اس طرح شفا حاصل نہیں ہوتی بدون رجوع الی الطبیب کے چارہ نہیں یہی حال معالجہ نفس کا ہے کہ اس میں بھی بدون کسی ماہر طبیب حاذق کے کامیابی نہیں ہوتی جو لوگ خود بخود کام شروع کرتے ہیں اُن کی حالت یہ ہے کہ جہاں کچھ سرسراہٹ معلوم ہوئی وہ اپنے کو کامل سمجھنے لگے حالانکہ سرسراہٹ کو کامیابی سے کچھ بھی علاقہ نہیں بس میں

ہندو بھی پورا مسلمان نہیں سمجھتے بلکہ اپنی برادری کا بھائی سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت میں اس شعار اسلامی کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو نور فہم سے بالکل کورا ہو۔ ایک عالم نے میرے سامنے اعتراض کیا کہ دیکھئے صاحب فلاں مولانا نے ذبیحۂ گاؤ کو شعار اسلام کہہ دیا میں نے کہا وہ کیا کہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شعار اسلام فرمایا ہے۔ کہنے لگے حضور نے کہاں فرمایا میں نے کہا مسلم کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ الحدیث۔ اس میں حضور نے مسلمان کی علامتیں بیان فرمائی ہیں کہ جس شخص میں یہ علامتیں موجود ہوں اس کو مسلمان سمجھنا چاہئے کہ جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے جس کے لئے خدا و رسول کی پناہ وعہد ہے۔ پس جہاں آپ نے صلوٰۃ واستقبال قبلہ کو علامت اسلام قرار دیا ہے وہیں اکل ذبیحتنا بھی فرمایا ہے تو جو اعتراض آپ کو ان مولانا صاحب پر ہے کہ انہوں نے کھانے پینے کی چیز یا ایک جانور کے ذبح کو شعار اسلام کہدیا وہی اعتراض حدیث پر وارد ہوتا ہے کہ حضور نے صلوٰۃ واستقبال قبلہ کے ساتھ اکل ذبیحہ کو کیسے بیان فرما دیا۔ شاید کوئی یہ کہے کہ اس میں تو مطلق ذبیحۂ مسلم کے کھانے کو علامت اسلام بتلایا گیا ہے۔ اس سے ذبیحۂ بقر کا کھانا علامت اسلام معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں بقر کا لفظ وارد نہیں ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ فہیم شخص کے لئے تو ذبیحتنا ہی بقرہ پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ عنقریب آتا ہے اور بدفہم کے لئے خود لفظ بقرہ کا مذکور ہونا بھی ناکافی تھا۔ چنانچہ میرٹھ میں ایک وکیل صاحب نے یہ دعوے کیا تھا کہ اسلام میں گائے کا ذبیحہ کہیں نہیں بلکہ بکری کا ذبیحہ ثابت ہے چنانچہ دیکھئے اس عید کا نام ہی بقرعید ہے یعنی بکرے کی عید۔ اس ظالم نے بقر کو بکرے کی عربی سمجھا۔ واقعی جب ایسے ایسے ذہین دنیا میں ہوں گے تو پھر ذبیحۂ گاؤ کی دلیل شریعت میں کیوں ملے گی۔ اسی طرح اگر آپ بھی لفظ البقر حدیث میں ہونے کے بعد یہی تاویل کرنے لگیں تو پھر اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہوگا کہ ع جواب جاہلاں باشد خموشی ❊ اور یہ ساری خرابی خوشامد کی ہے کہ یہ لوگ ہندوؤں سے اتحاد کرنے کے لئے ایسی بیہودہ باتیں نکالتے ہیں۔ آجکل اتحاد و اتفاق کا بہت جوش ہے اسی جوش میں ایسے عالی مضامین اور باریک نکات سوجھتے ہیں۔ چنانچہ مظفر نگر میں ایک ہندو نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ جب تک ہم میں اتفاق نہ ہو کامیابی نہیں ہوسکتی

ہندو مسلم اتحاد کی خرابی

پھر کہا جانتے بھی ہو کہ ہم کے معنی کیا ہیں۔ ہم کے معنی ہیں ہندو اور مسلمان۔ ہا سے مراد ہندو اور میم سے مسلمان پھر کہا کہ ہمارے ہندو بھائی ناخوش نہ ہوں کہ ہا تو ذرا سی ہے اور میم لمبا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہندو تو ہندوستان ہی کے اندر اندر ہیں یہہ کہیں باہر سے نہیں آئے اور مسلمان عرب و ایران وغیرہ بہت دور سے آئے ہیں تو اُن کی مسافت بہت لمبی ہے اس لئے ان کے واسطے میم اختیار کیا گیا اور اس کو لمبا لکھا گیا۔ مگر اس شخص نے مسلمانوں کی بابت یہ خیال نہ کیا کہ شاید وہ یہ شبہ کرنے لگیں کہ ہا کو پہلے رکھا گیا اور میم کو پیچھے اور ہا کو میم کے سر پر سوار کیا گیا اس کی کیا وجہ۔ شاید اس کا یہہ جواب دیا جاوے کہ ہندو یہاں پہلے سے رہتے ہیں اور مسلمان بعد میں آئے ہیں اس لئے ہا کو پہلے اور میم کو پیچھے لایا گیا۔ مگر یہ شبہ پھر بھی باقی رہا کہ ہا کو میم کے سر پہ سوار کیوں کیا گیا اس کو پہلے ہی لکھا ہوتا مگر میم سے الگ لکھا ہوتا۔ مگر شاید اتحاد و اتفاق ظاہر کرنے کے لئے خلط کی ضرورت پڑی ہو۔ اس لئے ایسا کیا گیا واہیات خرافات یہ آجکل کے نکات ہیں جنکے سر نہ پاؤں مگر لوگ ہیں کہ ان مضامین پر لٹو ہیں اور ستم یہ کہ مسلمان بھی اس تقریر کے مداح تھے جنکے یہاں نکات و معارف ایسے ایسے عالی ہیں کہ دوسری قوموں کو انکی ہوا بھی نہیں لگی اسلامی علوم و نکات کے ہوتے ہوئے یہ واہیات باتیں اس قابل ہیں کہ مسلمان ان کی تعریف کریں مگر ہماری قوم میں ایک مرض یہہ بھی ہے کہ یہ دوسری قوموں کے افعال کی مدح کرتے ہیں اور اپنے گھر کی چیزوں پر اُن کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ ایک زمانہ انگریزوں کی پرستش کا تھا اس وقت تک اُن کے افعال اور معاشرت کی مدح سرائی ہوتی تھی اور مسلمانوں کے طرز معاشرت پر اُن کے طرز معاشرت کو ترجیح دی جاتی تھی اب ہندوؤں کی پرستش کا دَور ہے اب اُن کی باتوں کی مدح و ثنا ہوتی ہے۔ غرض یہ ہمیشہ دوسروں ہی کی پرستش میں رہیں گے۔ اُن میں یہ حوصلہ نہیں رہا کہ اپنی دولت کے سامنے کسی کی چیز کو بھی منہ نہ لگا دیں بلکہ سب کو اسی کے سامنے جھکانے کی کوشش کریں افسوس ایسے مسلمان اب زمین کے اندر پہونچ گئے۔ بس اب تو ایسے مسلمان رہ گئے ہیں کہ ایک صاحب کا مقولہ اخباروں میں شائع ہوا تھا کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو فلاں شخص عہ (ایک ہندو کی طرف اشارہ ہے) نبوت کا مستحق تھا۔ افسوس اس شخص کو مسلمانوں میں کوئی اس قابل نہ ملا تھا۔ ایک ہندو ہی اس قابل ملا تھا۔ اے صاحبو! میں پوچھتا ہوں کہ آخر یہہ

مسلمانوں میں یہ مرض ہے کہ دوسری قوموں کے افعال کی قدر کرتے ہیں اور اپنے گھر کی بیقدری

ایک لیڈر کا مقولہ کفریہ

عہ یعنی گاندھی ۱۲ جامع

کونسا اسلام ہے جس میں نبی ہونے کے لئے ایمان کی بھی شرط نہیں۔ پھر لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت نہ کرو۔ جس اتحاد کا یہ نتیجہ ہو کہ مسلمان اس سے الحاد کی طرف جائیں اُس اتحاد پہ صد نفرین ہے۔ پھر کوئی اُن لیڈر صاحب سے پوچھے کہ جب تمہارے نزدیک ہندو بھی قابل نبوت ہو سکتا ہے تو تم نے اس قضیہ شرطیہ کو کیوں تکلیف دی کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی۔ کیونکہ ایسی نبوت تو ختم نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ ختم تو وہ چیز ہوتی ہے جو پہلے شروع بھی ہو چکی ہو اور ایسی نبوت تو آج تک شروع ہی نہیں ہوئی جس میں اسلام و ایمان کی بھی قید نہ ہو جب وہ شروع ہی نہیں ہوئی تو ختم بھی نہیں ہوئی بلکہ یہ تو تمنے نبوت کی نئی قسم نکالی ہے اس کے لئے یہ شرط بڑھانا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی محض حماقت ہے۔ تم کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ نبوت اسلام تو ختم ہو چکی۔ اب میں نبوت کی ایک دوسری قسم ایجاد کرتا ہوں جس میں اسلام و ایمان کی بھی قید نہیں اور اس قسم کا پہلا نبی فلاں شخص ہے۔ غرض عیب کرنے کے لئے بھی ہنر چاہئے۔ کفریہ کلمہ بھی زبان سے نکالا اور وہ بھی ایسا بے تکا جس کے سر نہ پاؤں اور کمال یہ کہ ایسے کلمات کہہ کر بھی یہہ لوگ لیڈر اور مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں۔ کوئی عالم یا جاہل اس شخص کو متنبہ نہیں کرتا کہ ان کلمات ناشائستہ سے ایمان میں فرق آگیا تو اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر کرو اگر وہ اس سے توبہ نہ کرے تب تو ظاہر ہے اور اگر توبہ کرلے جب بھی یہہ لوگ لیڈر اور مقتدا بننے کے قابل نہیں کیونکہ ایسے کلمات سے معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ اسلام کی تعلیم سے بالکل کورے اور نرے جاہل ہیں سو توبہ کرکے گناہ تو معاف ہو جائیگا۔ مگر ایک منٹ کی توبہ سے علم تو حاصل نہ ہو جائیگا۔ غرض مسلمانوں کے اندر یہہ بڑا مرض پیدا ہو گیا ہے۔ کہ ان کو دوسری قوموں کی چیزیں زیادہ وقیع معلوم ہوتی ہیں اور اپنے علماء کو چھوڑ کر یہ دوسری قوموں کے افراد کی عظمت کرنے لگتے ہیں اور پھر دعوے کرتے ہیں کہ ہم قومیت اسلامی کے حامی و محافظ ہیں۔ ڈسے۔ پتھر۔ کیا قومیت اسلامی کی یہی حمایت ہے کہ تم اسلامی تعلیم کو دوسرے مذاہب کی تعلیم کے آگے اور اسلامی علماء کو دوسری قوموں کے افراد کے سامنے ذلیل و پست کردو۔ واللہ یہی لوگ اسلام و مسلمانوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہی قومیت اسلامی کو برباد کرتے ہیں۔ ان تحریکات سے خدا تو اُن کو مطلوب ہے ہی نہیں۔ مگر جس قومیت کا یہہ رات دن رونا روتے ہیں اُس کی بھی جڑیں اکھاڑ رہے ہیں۔

قومیت کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی قوم کو دوسروں سے مستغنی ثابت کرو خود محتاج نہ بنو دوسروں کو اپنا محتاج بناؤ - اپنی تعلیم کے مقابلہ میں کسی کی تعلیم کو ترجیح نہ دو اور ثابت کر دکھاؤ کہ اسلامی تعلیم سے بہتر کوئی تعلیم نہیں نیز اپنے علماء کے سامنے دنیا بھر کے عقلاء کو پست اور نیچا دکھادو اور اس کے لئے سچ پوچھو تم کو کرنا نہیں پڑیگا - میں دعوے سے کہتا ہوں کہ الحمدللہ اسلام میں وہ لوگ موجود ہیں جن کے سامنے دنیا بھر کے سیاست دان طفل مکتب ہیں - قرآن وحدیث کے برابر سیاسی اور تمدنی تعلیم کونسی کتاب میں ہے - ذرا کوئی لاکر تو دکھائے پھر جو لوگ قرآن وحدیث کے حقیقی طور پر سمجھنے والے ہیں ان کے برابر کوئی بھی عاقل یا سیاست داں ہوسکتا ہے - ہرگز نہیں بخدا ہرگز نہیں - مگر یہ ساری خرابی اُن علماء کی ہے جو ہر بات میں ان لیڈروں کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور لیڈروں کی طرح خود بھی کافروں کی سیاست دانی کے معتقد ہیں - اُن کی علانیہ مدح کرتے اور ممبر پہ بیٹھ کر وعظوں میں تعظیم سے اُن کا نام لیتے ہیں اور یہ وہ علماء ہیں جنہوں نے کسی صاحب دل کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں محض کتاب پڑھ کر عالم ہوگئے ہیں مگر ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند — نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست — نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

علم اس کا نام نہیں ہے کہ الفاظ یاد کرلئے علم اور ہی کسی چیز کا نام ہے ؎

شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد — بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

جس عالم میں ایک خاص آن ہو اُس کا غلام بننا چاہئیے وہ آن کیا ہے عشق و معرفت وتقوے چند روز ایسے کسی عالم کی جوتیوں میں جاکر رہو اور اس کے سامنے اپنے لفظی علم کو فنا کردو - پھر علم کی دولت نصیب ہوگی اور کامل کے سامنے لفظی علم کو فنا کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ ؎

پیش یوسف نازش و خوبی مکن — جز نیاز و آہ یعقوبی مکن
ناز را روئے بباید ہمچو ورد — چوں نداری گرد بد خوئی مگرد
عیب باشد چشم نابینا و باز — زشت باشد روی نازیبا و ناز

یعنی جب تمہارے اندر حُسن نہیں ہے تو یوسف کے سامنے ناز مت کرو آہ و نیاز سے پیش آؤ جب ہی امید ہے کہ وہ تم کو منہ بھی لگائے گا اور اگر تم نے اس زشت روئی کی حالت میں

اُس کے سامنے اپنے علوم پر ناز شروع کر دیا تو وہ اپنے علم سے ذرا سا حصہ بھی تم کو نہ دیگا
اور صاف کہدیگا ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی — بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

اسیو کثرت سے وہ لوگ ہیں جو کمال نہیں رکھتے مگر ایک کمال کی نقل کرکے دعویٰ کمال کا
کرتے ہیں ایسوں کی مثال میں ایک حکایت یاد آئی کہ ایک احمق شخص نے کسی ولایتی کو
دیکھا جو اپنے گھوڑے کو پیار و شفقت کے ساتھ دانہ کھلا رہا تھا اور وہ گھوڑا کبھی ادھر منہ
پھیر لیتا کبھی اُدھر اور وہ کہتا کھاؤ بیٹا کھاؤ۔ انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ افسوس
میری بیوی میری اتنی قدر بھی نہیں کرتی جتنی یہ شخص گھوڑے کی قدر کرتا ہے اب کے گھر
جا کر ہم بھی ان ہی نخروں کے ساتھ کھانا کھایا کریں گے۔ چنانچہ گھر تشریف لائے اور بی بی کو
حکم دیا ہمارے لیئے دانہ بھگو دے پھر شام کو گھوڑے کی طرح کھڑے ہو کر حکم دیا۔ کہ
اگاڑی پچھاڑی کھونٹوں سے باندہ دے اور دُم کی جگہ ایک جھاڑو منڈھوائی اور حکم دیا
کہ ہم کو دانہ کھلا دے اور جب ہم نخرے کریں تو ہماری خوشامد کرے اور کہے کھاؤ بیٹا
کھاؤ۔ چنانچہ ان سب احکام کی تعمیل کی گئی۔ آپ دانہ کھانے میں جو اوچھلے کو دے کیونکہ گھوڑا
بن رہے تھے۔ پیچھے کہیں چراغ رکھا تھا وہ جھاڑو میں لگ گیا اور اگاڑی پچھاڑی بندھی
ہونے کے سبب ہاتھ پاؤں بیکار ہو چکے تھے۔ آگ بڑھنے لگی بی بی بھی احمق کی احمق ہی تھی
محلہ میں دوڑی گئی کہ لوگو میرا گھوڑا جل گیا۔ اس کے یہاں گھوڑا کہاں سب سمجھے مسخرا پن
ہے کوئی نہ آیا گھوڑے صاحب اپنے گدھے پن سے جل کر رہ گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کاملین
کے سامنے اپنے دعووں کو فنا کرنے کی ضرورت ہے مگر اسیو فنا درکنار اون کے موافقت سے
بھی بھاگتے ہیں اور بجائے اون کے کفار کا اتباع کرتے ہیں۔ چنانچہ بعضے نام نہاد علماء ہندؤں
کے ساتھ ان تحریکات میں شریک ہوئے ہیں اور یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اپنی روش پر چلنے سے
تو کچھ زیادہ قدر نہیں ہوتی نہ زیادہ دولت ملتی ہے۔ لاؤ وہی طریقہ اختیار کریں جو ہندوؤں
نے اختیار کیا ہے۔ شاید اس طرح کچھ زیادہ وقعت مل جائے اور اگر انہوں نے سوراج لیلیا
تو اس میں ہمارا بھی حصہ رہے گا اگر ہم الگ رہے تو بالکل محروم رہیں گے۔ افسوس! مسلمان
ہو کر غیر پر نظر بڑی شرم کی بات ہے ان لوگوں نے یہ نہ خیال کیا کہ جو طریقہ کفار کے لئے
حصول عزت کا ہے مسلمان کے لئے وہ طریقہ نہیں ہے مسلمان کبھی دوسری قوموں کا اتباع

ایک احمق کی حکایت

کرکے ترقی نہیں کرسکتا اگر وہ مسلمان ہے مسلمان کی ساری عزت اسی میں ہے کہ وہ اپنے طریقہ پر قائم رہے اور کسی حال میں احکام شریعت سے تجاوز نہ کرے - اسی سے فلاح ہوتی ہے گو سامان کم ہو اور اس کے خلاف میں فلاح نہیں گو سامان زیادہ ہو دیکھئے اسکی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی مدینہ میں پہونچکر اجازت ہوئی اس کی کیا وجہ ہے - ظاہرین یہ سمجھتے ہیں کہ قلت جماعت و قلت اسباب اس کا سبب تھا - یہہ خلاف تحقیق ہے کیونکہ مدینہ ہی میں پہونچ کر کیا جماعت بڑھ گئی تھی کفار کا پھر بھی غلبہ تھا - مدینہ کی جماعت تمام عرب کے مقابلہ میں کیا چیز تھی بلکہ اگر یہہ دیکھا جائے کہ تمام کفار عالم کے مقابلہ میں یہہ اجازت ہوئی تھی تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا اسی طرح مدینہ پہونچکر سامان میں کیا زیادتی ہو گئی تھی کفار ہمیشہ نہایت ساز و سامان سے مقابلہ کرتے تھے اور مسلمانان مدینہ کی یہ حالت تھی کہ بعض مواقع میں ایک ایک سواری میں سات آٹھ آدمی شریک ہوتے تھے بعض دفعہ چند آدمیوں میں ایک ہتیار مشترک ہوتا تھا پس یہ کہنا بالکل واقع کے خلاف ہے کہ مدینہ میں جاکر جماعت و سامان کی زیادت اس اجازت کا سبب ہوئی نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلہ میں اکثر مواقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا چنانچہ ارشاد ہے - وانزل جنودا لم تروہا اور ارشاد ہے - بلی ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورہم ہذا یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف من الملئکۃ مسومین - اور یہہ صورت نزول ملئکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی مگر پھر بھی اس صورت کو اختیار کرکے وہاں اجازت نہ دی گئی تو اس کی کوئی اور وجہ بتلانی چاہیئے - اہل ظاہر اس کی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے - محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے اندر اخلاق حمیدہ اخلاص و صبر و تقویٰ وغیرہ کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے اُس وقت اگر اجازت قتال کی ہو جاتی تو سارا مقابلہ جوشش غضب و انتقام للنفس کیلئے ہوتا محض اخلاص و اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہوتا اور اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے اُن کی امداد کی جائے اور حمایت الٰہی اُن کے شامل حال ہو - چنانچہ آیت مذکورہ میں بلی ان تصبروا وتتقوا کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایت الٰہی اسیوقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر و تقویٰ میں راسخ ہوں - اور تقویٰ کے معنی ہیں احتراز عما نہی اللہ عنہ

مسلمانوں کو مکہ میں اجازت قتال نہ ہونے کی وجہ

و امتثال ما امر بہ جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء وعن شائبۃ النفس بھی داخل ہے"
جامع)

اور مدینہ میں پہونچ کر یہ اخلاق راسخ ہوگئے تھے مہاجرین کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذا پر صبر کرنے سے نفس کی مقاومت سہل ہوگئی نیز قوت غضب نفسانی ضعیف بلکہ زائل ہوگئی تھی پھر ہجرت کے وقت جب انہوں نے اپنے وطن واہل وعیال ومال و دولت سب پر خاک ڈال دی تو اُن کی محبت الٰہی کامل ہوگئی اور محبت دنیا اُن کے قلب سے بالکل نکل گئی - انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا اُس سے اُن کے قلوب بھی محبت الٰہی سے لبریز اور محبت دنیا سے پاک ہوگئے تھے چنانچہ انصار نے خوش خوش ان حضرات کو اپنے مکانات واموال میں شریک کرنا چاہا بلکہ بعض صحابہ نے تو یہاں تک کیا کہ ایک مہاجر صحابی سے کہا کہ تم میرے بھائی ہوگئے ہو اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا تمام مال آدھوں آدھ تقسیم کرکے نصف خود لیلوں اور نصف تم کو دیدوں اور میرے پاس دو بیبیاں ہیں اُن میں سے جونسی تم کو پسند ہو میں اُسے طلاق دیکر ابھی الگ کردوں - عدت گذرنے کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا - مہاجری نے اُن کو دعا دی کہ خدا تمہارے مال وعیال میں برکت دے مجھے اس کی ضرورت نہیں تم مجھے بازار کا رستہ بتادو (میں تجارت کرکے اپنا گذر کردوں گا) غرض واقعۂ ہجرت سے مہاجرین وانصار دونوں کا امتحان ہوگیا جس میں وہ کامل اترے اس کے بعد اُن کو اجازتِ قتال دی گئی کہ اب یہ جو کچھ کریں گے محض خدا کے لئے کریں گے - جوشِ غضب اور خواہش انتقام و شفاء غیظ نفس کے لئے کچھ نہ کریں گے اسوقت یہ اس قابل ہوں گے کہ حمایت الٰہی انکا ساتھ دے اور ملائکۂ رحمت ان کی مدد کریں - چنانچہ حضرات صحابہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لئے کرتے تھے حتیٰ کہ مثنوی میں مذکور ہے کہ ایکمرتبہ حضرت علی نے ایک یہودی کو معرکۂ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا مرتا کیا نہ کرتا - اُس کمبخت نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا اب چاہیئے تھا کہ حضرت علی اس کو فوراً ہی ذبح کرڈالتے مگر تھوکنے کے بعد آپ فوراً اس کے سینہ پر سے کھڑے ہوگئے اور فوراً اُسے چھوڑ دیا - وہ یہودی بڑا متعجب ہوا کہ میری اس حرکت کے بعد تو اُن کو چاہیئے تھا کہ مجھے

حضرت علی کے اخلاص کی عجیب حکایت

کسی طرح جیتا نہ چھوڑتے مگر انہوں نے برعکس معاملہ کیا آخر اُس سے نہ رہا گیا اور حضرت علی سے اس کی وجہ پوچھی کہ آپ نے اگر مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے کے بعد کیوں رہا کر دیا اس فعل سے نہ میرا کفر زائل ہوا نہ عداوت سابقہ ختم ہوئی بلکہ اور زیادہ ہو گئی تھی۔ حضرت علی نے فرمایا کہ واقعی اس فعل کے بعد میرا رہا کر دینا بظاہر عجیب ہے مگر بات یہ ہے کہ اول جب میں نے تجھ پر حملہ کیا تو اُسوقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھ مطلوب نہ تھا اور جب تو نے میرے اوپر تھوکا تو مجھے غصہ اور جوش انتقام پیدا ہوا میں نے دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض خدا کے لئے نہ ہوگا بلکہ اُس میں نفس کی بھی آمیزش ہوگی اور میں نے نہ چاہا کہ نفس کے لئے کام کر کے اپنے عمل کو ضائع کروں اس لئے تجھے رہا کر دیا۔ وہ یہودی کا یہ سن کر فوراً مسلمان ہو گیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کے لئے نہ کرو بلکہ محض خدا کے لئے ہر کام کرو۔ دوستی اور دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ جو لوگ خدمتِ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو نفس کے واسطے کام کرتے ہیں اپنے ذرا ذرا سے کارناموں کو اچھالتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں احکام الٰہی کی پروا نہیں کرتے۔ بس انکا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہئے۔ خواہ شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔ چندہ میں جائز و ناجائز کی پروا نہیں۔ صرف میں حلال و حرام کا خیال نہیں پھر حمایت الٰہی ان کے ساتھ کیونکر ہو بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں مسئلہ مسائل کو ابھی رہنے دو اسوقت تو کام کرنا چاہئے بعد کو مسئلے مسائل دیکھے جائیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ مسئلے مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دینوی فلاح ہو سکتی ہے نہ اُخروی اور سب سے زیادہ اخلاص نیت کی ضرورت ہے جس کا یہاں صفر ہے۔ ہمارے بزرگان دین جو بحمد اللہ اب بھی موجود ہیں وہ محض خدا کے واسطے کام کرتے ہیں اسی لئے وہ کسی کام میں شریعت سے ایک انچ بھی بڑھنا نہیں چاہتے اسی طرح جو ان حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ بھی نفس کے لئے کام نہیں کرتے۔ بزرگوں کی صحبت سے اگر اصلاح کامل بھی نہ ہو تو کم از کم اپنے عیوب ہی پر نظر ہونے لگتی ہے یہ بھی کافی ہے اور مفتاح طریق ہے جس شخص کو اپنے عیوب پر بھی نظر نہ ہو اُس سے بڑھ کر محروم کوئی نہیں۔ بس پھر تو وہی حالت ہوتی ہے کہ جیسے

[illegible]

موقعہ دیکھا ویسا کر لیا اپنی اغراض کے موافق فتوے نکال لیا جیسا کہ اُن مولوی صاحب نے حدیث میں اکل ذبیحتنا سن کر بھی یہی کہا کہ اس سے تو ذبیحۂ گاؤ کا شعار اسلام ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ اُن کے اندر نرا جوش تھا کسی کے پاؤں تلے ملے نہیں گئے تھے اس لئے جوش غالب رہا فہم درست نہ ہوا فہم درست ہوتا ہے اس ہی سے کہ ؎

قال را بگذار مرد حال شو ٭ پیش مرد کاملے پا مال شو

مگر ہائے یہ کس سے ہو۔ اس وقت تو مولانا کہلاتے ہیں لوگ تعظیم کرتے ہاتھ پیر چومتے ہیں اور اب ایسی جگہ جائیں جہاں نالائق کا خطاب ملے بیوقوف بنائے جائیں۔ بات بات پہ روک ٹوک کی جائے مگر یہ صرف چند روز کی مشقت ہے پھر ساری عمر کی راحت ہے۔ چند روز کی روک ٹوک سے جب نفس کی اصلاح ہو جائیگی اور خدا تعالےٰ سے تعلق درست ہو جائے گا تو وہ دولت عطا ہوگی جس کے سامنے سلطنت ہفت اقلیم بھی گرد ہے ع چند روزے جہد کن باقی بخند۔ جس شخص کے اندر مادۂ فاسدہ کا غلبہ ہوتا ہے اس کے لئے ضرور مسہل کی ضرورت ہے مگر مسہل ساری عمر کا نہیں ہوتا۔ چند روز کے لئے ہوا کرتا ہے۔ پھر خمیرۂ گاؤ زبان کھلایا جاتا ہے جس کو یہ دولت نصیب ہو گئی ہے اُس سے پوچھو۔ خدا کی قسم اہل اللہ کے برابر کسی کو راحت نہیں اُن کو وہ دولت عطا ہوئی ہے جس کی وجہ سے نہ ان کو کسی خوف کی چیز سے خوف رہتا ہے نہ طمع کی جگہ طمع ہوتی ہے اور اگر یہ بات نصیب نہیں تو اِس شخص کی پریشانی کی کوئی حد نہیں ؎

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست ٭ جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

واقعی خلوت گاہِ حق ہی میں آرام مل سکتا ہے اور کہیں راحت نہیں اسی کو فرماتے ہیں۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اہل اللہ کو پریشان کن واقعات پیش نہیں آتے۔ نہیں واقعات اُن کو بھی پیش آتے ہیں اور اُن کو تکلیف بھی ہوتی ہے مگر وہ کلفت لذیذ ہوتی ہے۔ جیسے کباب مرچوں بھرا لذیذ ہوتا ہے گو ناک آنکھ سے آنسو بھی بہتے رہتے ہیں۔ اور جیسے تمباکو۔ جو لوگ تمباکو کھانے والے ہیں۔ اُن سے پوچھو کیسا لذیذ ہوتا ہے۔ دوسروں کو تو ایک پتی سے چکر آ جاتا ہے مگر جو اس کے عادی ہیں ان کو خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ اور مزا آتا ہے اور جتنا کڑوا تیز ہو اُتنا ہی اُنکو لطف

آتا ہے۔ ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ ایک دکان سے تمباکو لینے گیا اور دکان دار سے کہا کہ خوب کڑوا تمباکو دینا اس نے دکھلایا کہ میرے یہاں سب سے کڑوا یہہ ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں اس سے بھی کڑوا دو تو دوکاندار کیا کہتا ہے کہ توبہ توبہ بس اس سے کڑوا خدا کا نام۔ یہہ شخص اس کلمہ سے کافر نہیں ہوا کیونکہ اس کے نزدیک کڑوا ہونا کمال تھا اس لئے مطلب یہہ ہوا کہ یہہ تمباکو بہت کامل ہے۔ بس اس سے زیادہ کامل خدا کا نام ہے تو اس کے کلام میں کڑوا بمعنی کامل ہے البتہ یہہ عنوان نہایت قبیح ہے تو دیکھئے اس شخص کے نزدیک تمباکو کڑوا ہونا کیسا کمالِ مطلوب تھا۔ غرض ایسی نظائر دنیا میں موجود ہیں۔ کہ ایک چیز بعض لوگوں کے نزدیک باعث کلفت ہے اور دوسرے کے نزدیک لذیذ ہے۔ اسی طرح مصائب سے عام لوگوں کو کلفت ہوتی ہے مگر اہل اللہ کو اس میں بھی لذت آتی ہے گو ظاہر میں تکلیف ہو جیسے کوئی محبوب اپنے عاشق کو زور سے دبائے اور ایسا دبائے کہ اس کی پسلیاں دکھنے لگیں۔ ظاہر میں گو اسے تکلیف ہوگی مگر اس کی لذت کو کوئی اس کے دل سے پوچھے۔ اُس کا دل تو یوں کہہ رہا ہوگا ؎

ناخوش تو خوش بود برجان من — دل فدائے یار دل رنجان من

اور اگر محبوب اس سے یہ کہے کہ تجھے تکلیف ہوتی ہو تو لامیں تجھے چھوڑ کر رقیب کو دبانے لگوں تو وہ یوں کہے گا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی،

اور اس میں راز یہ ہے کہ اہل اللہ نے ایک سے تعلق جوڑ لیا ہے۔ بس اُن کو اگر خوف ہے تو اُسی کا ہے امید بھی ہے تو اُسی سے ہے اس لئے ہر حال میں وہ خوش رہتے ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے واقعہ میں وہ خلاف حق کچھہ نہیں کرتے۔ چاہے کام ہو یا نہ ہو۔ غرض حاصل ہو یا فوت ہو۔ جیسے حضرت علی نے عین موقعہ پر یہودی کو چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ بظاہر اس میں اپنی جان کا خطرہ تھا کہ دشمن رہا ہوکر پھر مقابلہ پر آمادہ ہوگا۔ مگر اُن کو خطرہ کی کچھہ پروا نہ ہوئی۔ اُن کا تو مذاق یہہ تھا ؎

دلآرامے کہ داری دل درو بند — دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اور یہہ حال تھا ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار　　بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

اور جن کو خدا کے ساتھ یہ تعلق حاصل نہیں اُن کی یہہ حالت ہے کہ آج اُن کے کچھ فتویٰ ہیں اور کل کو جہاں اغراض بدلیں۔ ساتھ کے ساتھ اُن کے فتوے بھی بدل گئے۔ ارے یہہ کیا قصہ ہے یہ کیسا اسلام ہے جو اغراض کے تابع ہے مسلمان کو تو ایسا ہونا چاہئیے۔ ہیچ بیکے خوان دیکے داں دیکے گو۔ مسلمان کو تو ایسا ہونا چاہئیے کہ اُس ذات کیساتھ علاقہ رکھے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور اغراض فانیہ کی نفی کرنی چاہئیے اور اسکے متعلق لا احب الآفلین کہدینا چاہئیے ؎

خلیل آسا در ملک یقیں زن　　صدائے لا احب الآفلین زن

پہلے سب علماء کا فتویٰ تھا کہ ریل میں بدون ٹکٹ کے سفر کرنا حرام ہے مگر اب یہہ حالت ہے کہ اس کو جائز کر دیا گیا۔ بہت لوگ جو علماء و طلبہ کہلاتے ہیں بے ٹکٹ کے سفر کرنے لگے میرے پاس ایک طالب علم کا خط آیا کہ میں بدون ٹکٹ کے ریل میں سفر کرنیکو جائز سمجھتا ہوں اور میرے باپ اس سے منع کرتے ہیں۔ ان کے باپ انگریزی خواں دنیا دار تھے۔ اللہ اکبر کبھی وہ زمانہ تھا کہ عربی خواں اس سے منع کرتے تھے اور انگریزی خواں جائز کہتے تھے۔ اب یہہ حالت ہے کہ عربی خواں جائز کہتا ہے اور انگریزی خواں منع کرتا ہے بات یہ ہے کہ وہ انگریزی داں کسی دانا (یعنی عارف) کا ذبح کیا ہوا تھا میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور اس سے زیادہ اور کوئی ذریعہ اطمینان دلانیکا میرے پاس نہیں ہے کہ نور فہم بدون کسی باقی باللہ فانی فی اللہ کی صحبت کے حاصل نہیں ہوتا اس کے بدون وہ علم ایسا ہوتا ہے۔ جیسے طوطے کو بعض لوگ قرآن کی سورتیں یا فارسی جملے یاد کرا دیتے ہیں۔ ایسا علم صرف زبان پر ہوتا ہے۔ دل میں اسکا اثر نہیں پہونچتا وقت پر سارا علم غائب ہو جاتا ہے محض اغراض نفسانی کی حفاظت کا خیال غالب ہو جاتا ہے۔ جیسے طوطا اگر بلی کے منہ میں آجاوے تو سوائے ٹیں ٹیں کے اور سارا علم اس کا کافور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک ظریف شاعر نے ایک طوطے کی تاریخ موت لکھی ہے ؎

میاں مٹھو جو ذاکر حق تھے　　رات دن ذکر حق رٹا کرتے
گربۂ موت نے جو آ دبایا تو　　کچھ نہ بولے سوائے ٹے ٹے ٹے

جو لوگ کہ محض عقل کی رو سے فتویٰ دیتے ہیں وہ اغراض کے تابع ہوتے ہیں [illegible]

کمال یہ کیا کہ تاریخ موت بڑے بڑے ہی سے نکلتی ہے یعنی ۱۲۳۰ھ
اسی طرح اللہ کا ہو رہے تب اسلام کامل ہوتا ہے ورنہ وقت پر سب لکھا پڑھا غائب ہو جاتا ہے۔ صاحبو! بدون صحبت اہل اللہ کے توحید بھی کامل نہیں ہوتی کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی سے خوف و طمع نہ ہو ؎

موحد چہ بر پائے ریزی زرش | چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس | ہمین است بنیادِ توحید و بس

مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اسلام کے درجۂ ناقص پر کفایت کرتے ہیں اُس کی تکمیل کی فکر نہیں کرتے۔ نہ نماز کی فکر ہے نہ روزہ کی اسی قصہ پر یہ بیان چلا تھا۔ پس ہم کو تکمیل اسلام کی فکر چاہئے اسلام کامل یہہ ہے کہ انسان پورا اللہ والا ہو جاوے جس کا ایک شعبہ یہ ہے کہ دین کو دنیا اور اغراض کے تابع نہ بنایا جاوے اُسوقت دین کی فہم حاصل ہوگی اور جس کے اوپر اغراض نفسانی کا غلبہ ہوگا اُسے دین کی سمجھ حاصل نہ ہوگی ایسے ہی علماء کا یہ خیال ہے کہ ذبیحۂ گاؤ شعار اسلام نہیں۔ اب میں حدیث سے اس کا شعار اسلام ہونا ثابت کرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَن صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فہذا ہو المؤمن الذی لہ ذمۃ اللہ ورسولہ فلا تحقروہ فی ذمتہ (او کما قال) اکل ذبیحتنا میں اضافت تخصیص ہے جیسا کہ من صلی صلوتنا و استقبل قبلتنا میں بھی ایسی ہی اضافت ہے کیونکہ نماز تو یہود و نصاریٰ کے مذہب میں بھی ہے اسی طرح استقبال قبلہ بھی ان کے مذہب میں موجود ہے تو اضافت تخصیص سے یہہ مطلب حاصل ہوا کہ جو شخص ایسی نماز پڑھے جو اسلام کے ساتھ خاص ہے اور اُس قبلہ کا استقبال کرے جو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ وہ مسلمان ہے تو یہی مطلب ذبیحتنا کی اضافت سے بھی حاصل ہوگا کہ جو شخص وہ ذبیحہ کھائے جو اہل اسلام کے ساتھ مخصوص ہے تو ایسے ذبیحہ کا کھانا اسلام کی علامت ہے اب بتلاؤ کہ ہندوستان میں ایسا خاص ذبیحہ کونسا ہے جو اہل اسلام کے ساتھ خاص ہے ظاہر ہے کہ وہ بجز ذبیحۂ گاؤ کے اور کوئی نہیں تو پھر اس کے شعار اسلام ہونے میں کیا شبہ رہا۔ بس میں تو یہہ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ جن گاؤں والوں پر ارتداد کا خطرہ ہو اُن کو گائے کا گوشت

کھلانا شروع کریں پھر وہ ایسا پہرہ دار ہوجائے گا کہ کفار وہاں سے بھاگ جائیں گے
گائے کا گوشت کھا لینے کے بعد اُن کو اُن گاؤں والوں کی طرف سے مایوسی ہوجائیگی
اس مضمون سے دوسری قوموں کی دل آزاری مجھے مقصود نہیں ہے بلکہ ہم تو اپنے
بھائیوں کی اصلاح کا طریقہ تبلا رہے ہیں۔ دوسروں سے ہمکو کیا غرض۔ دل آزاری
یا مقابلہ کرنا سیاست دانوں کا طریقہ ہے۔ ہم لوگوں کو سیاسی تدابیر سے کوئی سروکار
نہیں۔ ہم تو محض مذہبی احکام بیان کرتے ہیں۔ تو ایک مقصود تو میرا اسوقت یہ تھا کہ
ہم لوگوں کو اپنے اسلام کی تکمیل میں سعی کرنا چاہیئے۔ دوسرا مقصود یہہ ہے کہ جب
اسلام ہی دین کامل ہے تو جن لوگوں کے پاس یہ نعمت نہیں ہے اُن کے پاس بھی
اس کو پہونچانا چاہیئے کیونکہ اول تو یہ بات مروت اور ہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک
نافع چیز سے خود ہی انتفاع کیا جائے اور دوسروں کو محروم رکھا جائے۔ مثل مشہور ہے
کہ حلوا بہ تنہا نبایدت خورد۔ دوسرے ہم کو شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ جن لوگوں کو اسلام
کی خوبیاں معلوم نہیں ہیں ان کے سامنے اس کے محاسن کو بیان کریں تو اب دو قسم
کے لوگ ہیں ایک تو وہ جن کے پاس نعمت اسلام ہے مگر ادھوری ہے۔ اُن کو تو پورا
مسلمان بنانے کی سعی کی جائے۔ اس شعبہ کا نام میں تکمیل اسلام رکھتا ہوں دوسرے
وہ جن کے پاس یہ نعمت نہیں ہے۔ اُن کو اسلام پہونچانا چاہیئے اس شعبہ کا نام میں
تبلیغ اسلام رکھتا ہوں۔ اس میں بہت زمانہ سے مسلمان کوتاہی کر رہے ہیں۔
اس فرض کو سب ہی نے بھلا دیا حالانکہ انبیاء علیہم السّلام کا اصل کام یہی تھا وہاں
پڑھنا پڑھانا اور کتابوں کا درس کہاں تھا انبیاء علیہم السّلام کا اصل کام تبلیغ ہی تھا
اب ہماری یہ حالت ہے کہ بہت لوگ تو اس کو معمولی کام سمجھتے ہیں اور جو اس کی ضرورت و
مرتبہ کو سمجھتے بھی ہیں وہ بھی ایسی جگہ جاکر تبلیغ کرتے ہیں جہاں ان کی خاطر و مدارات
ہوتی ہے کفار میں جاکر کوئی تبلیغ نہیں کرتا کیونکہ وہاں خاطر مدارات کہاں بلکہ
بعض دفعہ بُرا بھلا سُننا پڑتا ہے اس وجہ سے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے رُکتے ہیں
افسوس انبیاء علیہم السّلام کی تو یہ حالت تھی کہ جن لوگوں نے ان کے خون بہائے۔
سر پھوڑے۔ دانت توڑا۔ لوہے کا خود سر میں گھسا دیا ان کو بھی تبلیغ کرتے رہے عام
تکالیف جھیلتے رہے مگر تبلیغ سے نہیں رکے اور بڑا کمال یہہ کہ ایسی ایسی تکالیف سہنے پہ

بھی کفار کے حق میں بد دعا نہیں کی۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ ایسے دشمنوں کے واسطے بھی اُن کے منہ سے یہ دُعا ہی نکلتی تھی۔ رب اھد قومی فانہم لا یعلمون (آلہی میری قوم کی آنکھیں کھول دے کیونکہ یہ مجھ کو پہچانتے نہیں ہیں اس لئے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہے ہیں اگر یہ مجھ کو پہچان لیتے تو ہرگز میرے ساتھ یہ معاملہ نہ کرتے ۱۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے آپ کے غلامان غلام بھی امت کے حال پر ایسے شفیق و مہربان ہوئے ہیں کہ اپنے ایذا رسانوں کے لئے ہمیشہ دعا ہی کرتے تھے حضرت ابراہیم بن ادہم رح جب غار نیشا پور سے نکلے ہیں تو انہوں نے حج کا ارادہ کیا۔ اور چونکہ یہہ حج نفل تھا اس لئے تکمیل سلوک کے بعد انہوں نے حج کا قصد کیا اس سے پہلے نہیں کیا کیونکہ تکمیل سے پہلے نفس گندگیوں سے ملوث ہوتا ہے تو اُس پاک دربار کے اندر یہ ناپاکیاں لیکر نہ جانا چاہئے۔ جب نفس تمام گندگیوں سے پاک و صاف ہوجاوے اُس وقت اس قابل ہوتا ہے کہ اس دربار میں حاضر ہو۔ ہاں فرض حج اس سے مستثنٰی ہے بعض لوگ تو مکہ ایسے جاتے ہیں کہ ایک نواب کو گورنمنٹ نے جلا وطن کیا اور ان سے پوچھا گیا کہ کہاں رہنا چاہتے ہو انہوں نے مکہ کو تجویز کیا کہ مجھے مکہ بھیجدیا جاوے۔ اب وہاں اُن کی یہہ حالت تھی کہ روزانہ سڑک پہ کھڑے ہوئے عورتوں کو گھورتے تھے۔ اسی طرح بعض لوگ حج کا ارادہ محض سیر و سیاحت کی نیت سے کرتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کو سفر نامے لکھنے اور راستہ کے حالات قلمبند کرنے کا شوق ہوتا ہے اس کو حضرت عراقی فرماتے ہیں ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند * کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

بزمین چو سجدہ کردم زِ زمین ندا بر آمد * کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

اور ایسے ہی لوگون کو شیخ مسعود بک رح خطاب فرماتے ہیں ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق درین جاست بیائید بیائید

مطلب یہ ہے کہ جس حالت سے تم حج کو جارہے ہو اس حالت میں رضائے محبوب اور وصال تم کو حاصل نہ ہوگا۔ ابھی تم کو اپنے گھر ہی میں کسی شیخ کے پاس رہ کر اصلاح نفس میں مشغول ہونا چاہئے اور یہہ مت سمجھو کہ شیخ حج سے روک رہے ہیں۔ نہیں بلکہ وہ تمہارے ایمان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں مگر ایمان کو مکہ ہی

چھوڑ آتے ہیں۔ اُن سے راستہ میں تکالیف کی جب برداشت نہیں ہوتی تو خدا اور رسول پر اعتراض کرتے ہیں اور حج کو فضول بتلاتے ہیں۔ بتلاؤ ان کا ایمان کہاں رہا ایسے لوگوں سے یہی کہا جائے گا کہ تم ہندوستان میں رہ کر پہلے کسی شیخ سے نفس کی اصلاح کا نسخہ لیکر پی لو۔ جب وہ اجازت دے تب حج کرنا۔ البتہ حج فرض کے لئے جانیکی تو ہر حال میں اجازت ہے۔ ہاں حج نفل سے اس کو منع کیا جائے گا۔ کیونکہ بعض لوگ نفل حج کے لئے بہت سے فرائض ترک کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جہاز کے اندر آپ کو ایسے حاجی بہت ملیں گے جو دوسرے تیسرے حج کو جا رہے ہوں گے مگر نماز ندارد۔ ہمارے ساتھ ایک سید صاحب عرب تھے وہ جہاز میں نماز نہ پڑھتے تھے اور روتے تھے کہ یہاں پاخانہ میں پانی شر شر چلتا ہے۔ جس سے چھینٹیں پڑ کر کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں میں نماز کیسے پڑھوں۔ میں نے کہا ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اگر خزانہ شاہی میں کھوٹے ہی روپے منظور ہوتے ہوں تو ہم کون ہیں جو یوں کہیں کہ نہیں حضور ہم تو کھرے ہی دیں گے۔ کھوٹے کبھی داخل نہ کریں گے۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے ہم کو حکم ہے کہ جہاز میں تم وسوسہ اور شبہ کی وجہ سے نماز ترک نہ کرو پڑھتے رہو تو ہم کو وسوسہ کی کیا ضرورت ہے۔ بس اگر کہیں ناپاکی آنکھوں سے نظر آ جاوے اسکو پاک کر دو اگر نظر نہ آوے تو وہم کی کیا ضرورت ہے مگر وہ سید صاحب روتے تو بہت تھے جہاز میں نماز ایک دن نہ پڑھتے تھے یاد رکھو بدون عمل کے رونا کچھ مفید نہیں بعض لوگ صرف وعظ میں رونے کو کافی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ تو ایسا ہوا جیسے گنگا کا اشنان کہ ذرا سا پانی بدن پر ڈال لیا اور سب پاپ بہہ گئے لیکن یہ تو ہندوؤں کا اعتقاد ہے مسلمان کا عقیدہ تو یہ ہے ؎

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال　　　صد سال میتواں بتمنا گریستن

رونے سے بدون عمل کے کچھ نہیں ہوتا اور اگر عمل ہو اور رونا نہ آوے تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ میرے ایک دوست نے لکھا کہ مجھے رونا نہیں آتا۔ میں نے لکھا پھر کیا حرج ہے۔ تمہارا دل تو رو رہا ہے تم اس کے مصداق ہو ع اے خنک آں دل کہ آں بریان اوست ۔ غرض نفل حج کے لئے جانے سے پہلے نفس کی اصلاح ضرور کر لینی

ایک سید عرب کا قصہ جہاز میں

چاہئے مکہ ایسی حالت میں جائے کہ وہاں پہونچ کر ہندوستان یاد نہ آوے نہ وہاں کی تکالیف سے گھبرا کر یہاں کی راحتوں کا خیال آوے۔ ہمارے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ مکہ میں رہنا اور دل ہندوستان اٹکا ہو اس سے تو یہہ بہتر ہے کہ ہندوستان میں رہے اور دل مکہ سے وابستہ ہو کہ دیکھئے کب زیارت نصیب ہو کس دن جانا ملے اسی واسطے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد درّہ لیکر لوگوں سے کہتے پھرتے تھے کہ بس حج ہو چکا اب اپنے اپنے گھر کا رستہ لو یا اہل الیمن یمنکم و یا اہل الشام شامکم و یا اہل العراق عراقکم۔ واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے حکیم تھے وہ جانتے تھے کہ حج کے بعد قدرتی طور پر وطن کا اشتیاق دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو اب ایسی حالت میں مکہ کے اندر قیام کرنا باطن کے لئے مضر ہے۔ اس دربار میں اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے نہ رہنا چاہئے کہ یہ بڑی گستاخی ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ کی زبان سے اتنی بات نکل گئی کہ شام یا ہندوستان کا دہی یہاں کی دہی سے اچھا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا یا عالم واقعہ میں فرمایا کہ نکل جاؤ ہمارے یہاں سے۔ وہیں جا کر رہو جہاں کا دہی اچھا ہے۔ صاحبو! یہ نقصان ہوتا ہے۔ اس دربار میں پہونچ کر اپنے گھر بار کو یاد کرنے کا اس لئے حضرت عمر حج کے بعد لوگوں کو مکہ سے نکالتے تھے۔ اور اسی واسطے حضرت ابراہیم بن ادہم نے تکمیل سے پہلے حج کا ارادہ نہیں کیا جب سلوک کامل ہو گیا تب حج کو چلے راستہ میں سمندر تھا۔ ایک جہاز میں سوار ہوئے وہاں ایک رئیس رند مشرب بھی پہلے سے سوار تھا اس کے ساتھ گانے بجانے والے بھانڈ بھی تھے۔ پہلے زمانہ کے رؤسا ان خرافات میں تو مبتلا ہوتے تھے۔ مگر آج کل کے رئیسوں سے پھر بھی بہت اچھے ہوتے تھے کیونکہ آج کل کے تعلیم یافتہ رؤسا گو ان ظاہری خرافات سے بری ہیں۔ مگر ان میں باطنی خرافات کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں وہ کیا تکبر۔ غرور۔ حسد۔ بیمروتی۔ بیرحمی اور پہلے رؤسا میں یہہ باتیں نہ ہوتی تھیں۔ اپنے کو خاکسار سمجھتے تھے۔ متواضع ہوتے تھے اور آجکل کے تعلیم یافتہ ایسے متکبر ہوتے ہیں کہ انگریزی پڑھ کر اپنے کو دین کا بھی محقق سمجھنے لگتے ہیں احکام شرعیہ میں رائے دیتے ہیں۔ مولویوں کی تو ہستی کیا ہے۔ رسول کی بات کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک حکم عام بیان فرمائیں اور یہ بلا دلیل

محض اپنے اجتہاد سے اُس کو اُس زمانہ کے لئے خاص بتائیں۔ پہلے رئیسوں میں یہ باتیں نہوتی تھیں، باوجودیکہ وہ آجکل کے رئیسوں سے زیادہ دین کا علم رکھتے تھے کیونکہ اُس زمانہ میں انگریزی پڑہنے کا نام تو علم تھا ہی نہیں۔ قرآن وحدیث فارسی کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا علم شمار ہوتا تھا اوران کتابوں میں دین ہی کی باتیں ہوتی ہیں مگر پھر بھی اُس زمانہ کے رئو سا دین میں دخل اندازی منقول نہیں ہے اور اگر کسی سے منقول بھی ہے تو وہ بھی کسی عالم کے بہکانے سے خود اُن کو ایسی جرأت نہ ہوتی تھی۔ غرض بھانڈوں نے ایک دن کہا کہ آج تو ہم اس طرح نقل کرنا چاہتے ہیں کہ کسی شخص کے ساتھ مذاق کریں اُسکے چپت اور دہول ماریں اس لئے کوئی شخص اس کام کے لئے تجویز کیا جاوے۔ وہاں بجز ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی شخص ایسا غریب نظر نہ آیا جس کو تختۂ مشق بنایا جاوے اللہ اللہ ؎

ایں چنیں شیخ گدائی کوبکو　　عشق آمد لااُبالی فاتقوا

چنانچہ اُن کو لے چلے اور وہ ساتھ ہولئے وہ اس لئے ساتھ ہولئے کہ ؎

از خدا داں خلاف دشمن ودوست　　کہ دلِ ہردو در تصرفِ اوست

گرگزند ت رسد زخلق مرنج　　کہ نراحت رسد زخلق نہ رنج

وہ تو یہ سب معاملہ خدا کی طرف سے سمجھے ہوئے تھے اور زبان حال سے یہ کہتے جارہے تھے ؎

بجز عشق تو ام می کشد وغوغا ئیست　　تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشا ئیست

وہاں نقل شروع ہوئی اور حضرت ابراہیم کو چپتانے لگے جب حضرت ابراہیم کا امتحان ہوچکا تو اب غضب الٰہی کو جوش ہوا۔ حق تعالےٰ اپنے دوستوں کا امتحان کرنے کے لئے بعض دفعہ مخالفوں اور دشمنوں کو اُن پر مسلط کر دیتے مگر پھر بہت جلد مخالفوں پر غضب و قہر کا نزول ہونے لگتا ہے یہ مت سمجھو کہ ہم کو مخالفت کرتے ہوئے اتنے دن ہوگئے اور کچھہ نہیں ہوا اہل اللہ کا ستانا خالی نہیں جاتا ؎

حلم حق با تو مواسا ہا کند　　چونکہ از حد بگذری رسوا کند

اور اسی حالت میں حضرت ابراہیم کو الہام ہوا کہ تم ذرا زبان ہلا دو تو ہم ابھی ان سب کو غرق کردیں۔ اب اُن کا ظرف دیکھئے اگر ہم جیسے ہوتے تو نہ معلوم کیسی تیز بد دعا کرتے

بھانڈوں کی نقل اور حضرت ابراہیم ادہم کی بے نفسی

دعا عرض کرتے ہیں کہ حضور جب میری خاطر سے آپ ان کے حق میں میری بد دعا قبول فرمانے کا وعدہ فرماتے ہیں تو میری خاطر سے آپ ان کی آنکھیں ہی نہ کھول دیں کہ جس باطنی بلا میں یہ غرق ہو رہے ہیں اُس سے اُن کو نجات مل جائے۔ دعا قبول ہوئی اور ان سب لوگوں کی قلبی آنکھوں پر سے غفلت کے پردے ہٹا دئے گئے اور سب کے سب ولی ہو گئے اب جو آنکھیں کھلی ہیں اور حضرت ابراہیم کا درجہ و حال معلوم ہوا اور اُس پر اپنی حرکتوں کو دیکھا تو بے اختیار سب قدموں میں گر پڑے۔ سبحان اللہ کیسی شفقت تھی کہ ایسے گستاخ لوگوں پر بھی بد دعا نہ کی گئی۔ اور سنئے ابھی قریب زمانہ میں ایک بزرگ مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی گذرے ہیں جن کے دیکھنے والوں میں سے شاید اب بھی کوئی زندہ ہو مکہ کو ہجرت فرما گئے تھے انکا قصہ ہے کہ ایک بار وہ مکہ کے بازار میں کسی دوکان پر کچھ خرید رہے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ جتنی رقم ہوتی سب ایک تھیلی میں رکھتے تھے۔ اور بازار میں ساری تھیلی لے جاتے اور جب اس میں سے کچھ نکالنا ہوتا تو ساری تھیلی دوکان پر الٹ کر جتنے کا سودا لینا ہوتا لیکر باقی تھیلی میں ڈال لیتے۔ غرض روپیہ کی حفاظت وغیرہ کا کچھ خیال نہ تھا نہ یہ فکر تھی کہ لوگ تھیلی کی جمع دیکھ کر میرے درپے ہو جائیں گے۔ سبحان اللہ! یہ باتیں ہیں جو کرامات سے بھی زیادہ ہیں۔ غرض ایک دن اسی طرح سودا لے رہے تھے ایک بدو نے تھیلی کو تاک لیا جسوقت آپ بازار سے لوٹے اور اس گلی میں داخل ہوئے جس میں آپ کا مکان تھا تو وہاں بجز مولانا کے اور اُس بدو کے اور کوئی نہ تھا بدو نے یہ موقعہ غنیمت سمجھ اور تھیلی کو مولانا کے ہاتھ سے چھین وہ جا یہ جا آپنے کچھ التفات بھی نہ فرمایا۔ سیدھے اپنے گھر میں چلے گئے اب خدا کی قدرت دیکھئے کہ اُس بدو نے جو اُس گلی سے نکلنا چاہا تو حق تعالےٰ نے راستہ بند کر دیا وہ چل پھر کر پھر اُسی موقعہ پر آ پہونچا جہاں سے تھیلی لیکر چلا تھا چند بار ایسا ہی ہوا کہ وہاں سے چلتا اور پھر وہیں آ موجود ہوتا۔ اب وہ سمجھا کہ یہ شخص خدا کا مقرب ہے شاید اس نے میرے واسطے بد دعا کی ہے جو مجھکو راستہ نہیں ملتا اس لئے اس نے مولانا کے دروازہ پر آ کر پکارنا شروع کیا یا شیخ یا شیخ خذ منی صرتک (اے شیخ مجھسے اپنی تھیلی لیلو) مگر مولانا نے ایک آواز کا بھی جواب نہ دیا تو اُس بدو نے دوسری ترکیب کی کہ چلانا شروع کیا کہ اے لوگو دوڑو مجھے ظالم سے بچاؤ۔ اس آواز پر لوگ جمع ہو گئے

اور پوچھا کہ تجھپر کس نے ظلم کیا ہے۔ کہنے لگا کہ اس گھر میں جو رہتا ہے اس نے مجھپر ظلم کیا ہے اُس کو بلاؤ ذرا گھر سے باہر نکلیں لوگوں نے کہا کہ وہ تو بڑے نیک آدمی ہیں وہ کسی پر ظلم نہیں کر سکتے۔ بدو نے کہا واللہ مجھ پر انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے تم اُن کو بلاؤ تو آخر لوگوں نے مولانا کو آواز دی کہ ذرا گھر سے باہر تشریف لائیں آخر مولانا جیران کی رعایت سے باہر تشریف لائے تو لوگوں نے بدو سے پوچھا کہ بتلا انہوں نے تجھپر کیا ظلم کیا ہے کہنے لگا کہ میں نے ان کی تھیلی چھین لی تھی جب میں اُس کو لیکر چلا تو راستہ مجھپر بند ہو گیا۔ میں اس کو چھوڑ کے باہر نکلنا چاہتا تھا مگر چل پھر کر اسی جگہ آموجود ہوتا تھا۔ آخر تھک کر میں نے اس شخص کو آواز دی کہ اپنی تھیلی مجھ سے لیلو تو اس نے میری آواز کا جواب بھی نہ دیا یہ ظلم انہوں نے میرے اوپر کیا ہے کہ نہ تو تھیلی واپس لیتے ہیں نہ مجھکو راستہ ملتا ہے اب تم لوگ ان سے کہو کہ مجھ سے اپنی تھیلی واپس لے لیں اور مجھے اس بلا سے نجات دیں۔ لوگوں نے مولانا سے عرض کیا۔ کہ حضرت اپنی تھیلی واپس لے لیجئے اور اس غریب پر رحم کیجئے اب عجیب بات دیکھئے کہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ تھیلی تو میری نہیں ہے اور بدو کہتا تھا کہ واللہ یہ ان ہی کی ہے میں نے ان کے ہاتھ سے چھینی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہاں چھیننے سے پہلے تو میری تھی مگر چھیننے کے بعد میری نہیں رہی بلکہ تیری ملک ہو چکی ہے کیونکہ جب تو نے اس کو چھینا تھا میں نے اسی وقت حق تعالیٰ سے عرض کر دیا تھا کہ میری وجہ سے اس شخص کو عذاب نہ کیا جاوے میں نے یہ تھیلی اس کو ہبہ کر دی ہے اور قبضہ اس کا ہے ہی۔ بس اس کی ہو گئی اس لئے اب یہ میری نہیں رہی میں اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ اور گو قبول ابھی تک واقع نہ ہوا تھا مگر واہب تو اپنی طرف سے اخراج عن الملک کا سامان پورا کر چکے اس لئے اپنے حق میں معاملہ ہبہ کا کیا یہ غایت احتیاط ہے) لوگ حیران رہ گئے کہ عجیب ماجرا ہے آخر بدو نے کہا کہ اگر تم تھیلی کو واپس نہیں لیتے تو میرے واسطے دعا ہی کر دو کہ مجھے راستہ مل جاوے۔ مولانا نے دعا فرمادی اور وہ خوش خوش اپنے گھر چلا گیا۔ صاحبو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان غلام کی یہ شفقت ہے اپنے ایذا دینے والوں پر۔ پھر حضور کی شفقت کا کیا حال ہوگا۔ واقعی سچ ہے عہ

عہ یعنی پڑوسیوں ۱۲

نماند بعصیاں کسے در گرو   کہ دارد چنیں سید پیشرو

جب حضور کی یہ شفقت ہے تو انشاء اللہ ہم گنہگار بھی آپ کے طفیل سے پار ہو جائیں گے اور تبلیغ اسلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوا ہے جس کو امت کے حال پر شفقت ہوگی وہی تبلیغ کے مصائب کو خوشی سے برداشت کرسکے گا اب چونکہ ہم لوگوں میں شفقت نہیں ہے اس لئے تبلیغ میں کمی ہو رہی ہے ہم لوگ جو چھوٹے بیچے مولوی کہلاتے ہیں ہم بھی وعظ کہنے وہیں جاتے ہیں جہاں کھانے کو عمدہ عمدہ غذائیں ملیں۔ نخروں سے بلائے جائیں کرایہ ڈبل ملے ایک بار میں ایک انجمن کے جلسہ میں بلا یا گیا جب ان لوگوں نے مجھے کرایہ دینا چاہا تو بہت رقم پیش کی میں نے کہا کہ اتنی رقم میں کیا کروں گا۔ میرے تو چند روپے صرف ہوئے ہیں انکو اس جواب پر بڑی حیرت ہوئی۔ پھر کھانے کے اندر انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ چار پئیں گے میں نے کہا نہیں۔ پان کہائیں گے میں نے کہا نہیں مجھے ان میں سے کسی کی عادت نہیں۔ پوچھا کھانا خاص کس قسم کا کھائیں گے میں نے کہا کہ اپنے گھر پر دال روٹی کھاتا ہوں وہی کھاؤں گا۔ اُن کو ہر بات پر تعجب ہوتا تھا آخر میں نے پوچھا کہ آپ کو حیرت و تعجب کیوں ہے اور یہ سوالات آپ مجھ سے کیوں کرتے ہیں کہنے لگے کہ صاحب یہاں ایک واعظ صاحب ابھی آئے تھے جنہوں نے بڑے عیب نکالے بہت ہی نخروں سے کھانا کھاتے تھے۔ دو دن میں گیارہ روپے کے پان کھائے دخیر کھاتے تو کیا ہوں گے مگر حاضرین کو کھلائے جس کا اُن کو کوئی حق نہ تھا جبکہ میزبان کو گراں ہوا) اس لئے ہم کو آپ کی ہر بات پر تعجب ہوتا ہے آپ تو کرایہ بھی بہت کم بتلاتے ہیں اور دال روٹی کے سوا کسی چیز کی درخواست نہیں کرتے نہ چائے کی نہ پان کی۔ میں نے کہا بھائی وہ بڑے درجہ کے آدمی تھے ان کا ویسا ہی خرچ بھی تھا۔ میں تو گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ چھوٹے درجہ کا آدمی ہوں ویسا ہی میرا مختصر خرچ ہے۔ غرض ان وجوہ سے تبلیغ کا کام رک گیا کیونکہ جن کفار میں تبلیغ کی ضرورت ہے یا جن نو مسلموں کو کفار سے بچانا ضروری ہے اُن کی حالت یہ ہے کہ ہم نے ان کو پرہیز ہے وہ ہمکو خود تو کیا بلاتے جانے کے بعد ٹھیرنے کو جگہ بھی نہیں دیتے نہ کھانے کو پوچھتے ہیں نہ پانی کو بھلا وہ تم کو ڈبل کرایہ اور چائے پان

کہاں دیں گے۔ پھر ایسی جگہ کون جائے اور یہ تکلیفیں کون جھیلے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام دوسری جگہ تو کیا پھیلتا جہاں اسلام پہلے سے تھا وہاں سے بھی نکلنے لگا۔ مگر آج کل ایک قصہ کی وجہ سے لوگوں کو پھر تبلیغ پر کچھ توجہ ہوئی ہے اور اس کی ضرورت کا احساس ہوا ہے گو مجھے یہ امید اپنے بھائیوں سے نہیں ہے کہ وہ اس پر دوام کریں کیونکہ ان میں نرا جوش ہی جوش ہوتا ہے۔ استقلال نہیں ہے اور جوش کا قاعدہ ہے کہ وہ زیادہ دیر پا نہیں ہوتا کاش اگر ان میں جوش کے ساتھ استقلال بھی ہوتا تو کیا اچھا ہوتا مگر انکا جوش بھی مستقل نہیں ہوتا صرف چند روزہ ہوتا ہے مگر خیر اس جوش کا پیدا ہونا بھی خدا کی رحمت ہے اس سے ہم کو کام لینا چاہئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس جوش کی حالت میں ہوش سے کام لیکر ایسی تدبیریں نکالیں جس سے تبلیغ کا کام ہمیشہ چلتا رہے اور محض زمانۂ جوش تک منحصر نہ رہے جس کی صورت آسان یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے اسلامی مدارس تعلیم عربی کے لئے قائم کر رکھے ہیں جو بدون کسی جوش کے زمانۂ دراز سے چلے آرہے ہیں اسی طرح کچھ مستقل مدارس محض تبلیغ کے لئے قائم کردیں جن میں صرف اس کام کی تعلیم دی جائے اور مبلغین تیار کئے جائیں۔ مدارس عربیہ کے ساتھ اس کام کو ملحق نہ کیا جاوے اس سے تعلیم علوم دین کے کام میں نقص پیدا ہونیکا اندیشہ ہے چنانچہ تجربہ سے معلوم ہو جائیگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آجکل تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اور علماء میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو فکر معاش وغیرہ سے فارغ ہیں وہ تو اسوقت سے اپنے کو تبلیغ کے لئے وقف کردیں اور جو لوگ فکر معاش سے فارغ نہ ہوں مگر اسوقت کسی اور کام میں بھی مشغول نہیں وہ بھی اس کام میں لگ جائیں اور اہل تمول ان کی اعانت کریں اور جو لوگ ملازمت وغیرہ یا درس و تدریس میں مشغول ہیں وہ اپنے کام کو ترک نہ کریں مگر تعطیل کے زمانہ میں یا کچھ رخصت بلاوضع تنخواہ مل سکے تو رخصت لیکر ان ایام میں تبلیغ کا کام کیا کریں اس طرح ہزاروں مبلغ مفت مل جائیں گے مگر اسکی ضرورت ہے کہ ہر شخص اس کام کی اہمیت کا احساس کرکے اسپر توجہ کرے۔ ایک صورت چندہ کی ہے کہ عام لوگ چندہ دیں اور خاص لوگ تبلیغ کا کام کریں مگر یہ صورت بہت بدنام ہوگئی ہے اور ہم نے خود اس کو بدنام کیا ہے کہ مخلوق کا روپیہ لیکر کام کچھ بھی نہ کیا اور روپیہ کھا پی کر سب برابر کردیا ورنہ یہ صورت بہت اچھی اور آسان تھی

دوام تبلیغ کی آسان صورت یہ ہے کہ اس کیلئے مستقل مدارس قائم کئے جائیں۔

دوسری صورت

تیسری صورت

تمام قومیں مذہبی کام اس طرز سے کر رہی ہیں مگر میں اس صورت کی رائے نہیں دیتا۔ میرے نزدیک چندہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ ہر رئیس اپنی حیثیت کے موافق ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ رکھ لے یا چند رؤسا مل کر ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ رکھ لیں اور ہر مہینے اس کو تنخواہ خود دیدیا کریں کسی انجمن وغیرہ میں چندہ بھیجنے کی ضرورت نہیں مگر یہ ضروری ہے کہ مبلغ کا انتخاب خود نہ کریں بلکہ علماء سے مشورہ کرکے کسی کو ملازم رکھیں لیکن اُس کے ساتھ ملازم کا سا برتاؤ نہ کریں بلکہ اس کو اپنا مخدوم سمجھیں۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو جو انجمنیں تبلیغ کا کام کر رہی ہیں ان کی ہی اعانت مال سے کرتے رہیں اگر اس کے کارکن خیانت کریں گے۔ خدا کے یہاں بھگتینگے مگر جس کی خیانت کا علم ہو جائے اس کو پھر چندہ نہ دیں۔ بلکہ اب اُنکو دیں جس کی خیانت کا ہنوز علم نہیں ہوا وعلی ہذا۔ اور جو لوگ مالی اعانت نہ کر سکیں وہ دعا کرتے رہیں یہ بھی بڑی امداد ہے ؎

لا خیل عندک تہدیہا و لا مال   فلیسعد النطق ان لم یسعد الحال

اور جس سے دعا بھی نہ ہو سکے تو للہ وہ اسپر ہی عمل کریں ؏ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں یعنی وہ خدا کے واسطے اس کام میں روڑے تو نہ اٹکاویں آجکل ایسے بھی مسلمان ہیں جو تبلیغ کے کام میں روڑے اٹکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کام چھوڑ دو اس سے ہندو مسلم اتحاد میں فرق آتا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان کے یہاں اب بھی ہندوؤں سے اتحاد ہی چلا جا رہا ہے مگر مزہ یہ ہے کہ اتحاد تو جانبین سے ہوا کرتا ہے مگر اُن کا اتحاد یک طرفی ہے کہ ہندو تو ان کی ذرا سی بھی رعایت نہیں کرتے جہاں اُن کو موقع ملتا ہے۔ مسلمانوں کو مرتد کر لیتے ہیں۔ آبروریزی یا جان و مال کے درپے ہو جاتے ہیں مگر ان حضرت کا اتحاد اب بھی باقی ہے۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ جب مسلمانوں کو ہندو مرتد بنا رہے ہیں تو کیا مسلمانوں کو مرتد ہونے دیا جائے۔ اُن کو سنبھالنے کی کوشش نہ کی جائے اگر ان کی یہی رائے ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ چاہے ایمان جاتا رہے مگر اتحاد نہ جائے تو ایسے اتحاد پر لعنت ہے جس کے واسطے ایمان و اسلام کی بھی پروا نہ رہے۔ جن صاحبوں کی یہ رائے ہو وہ خود تبلیغ نہ کریں مگر جو لوگ یہ کام کرنا چاہتے ہیں ان کو یہ کس لئے روکتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو اللہ کے نام پر یہ کام شروع کرنا چاہیئے اور ان لوگوں کی باتوں پر توجہ نہ کرنا چاہیئے تبلیغ میں بحث و مباحثہ یا لڑائی کی ضرورت نہیں۔ سکون و وقار سے کام کرو جہاں مباحثہ کی دوسری طرف سے تحریک ہو وہاں کرو خود چھیڑ نہ اٹھاؤ۔ بلکہ صاف کہدو کہ ہم اپنا کام کریں تم اپنا کرو

جس کا مذہب حق ہوگا اُس کی حقانیت خود واضح ہو جائیگی۔ واللہ[1] اسلام کی تعلیم وہ ہے کہ اس کی سادہ تعلیم کے مقابلہ میں کوئی تعلیم ٹھہر نہیں سکتی اسلام کی دلربائی کی یہ شان ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

اسلام کے محاسن تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا تو وقت نہیں رہا مگر اختصاراً میں چند محاسن بتلاتا ہوں اسی سے باقی کو سمجھ لیا جائے ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اسلام کا ایک حسن یہ ہے کہ اُس کو اپنی اشاعت کے لئے نہ زر کی ضرورت ہے نہ زور کی۔ بلکہ اسلام کی تعلیم خود قلوب کو اپنی طرف کشش کرتی ہے۔ جس کا تجربہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جس مجمع میں ہندو مسلمان دونوں موجود ہوں وہاں پہلے ایک ہندو سے کہا جائے کہ وہ اپنے مذہب کی باتیں بیان کرے اس کے بعد کسی عالم سے کہا جاوے کہ وہ اسلام کی باتیں بیان کرے دونوں حالتوں میں مجمع کی حالت دیکھ لی جائے کہ اُن پر کس تعلیم کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ ہمنے[2] ریل میں خود تجربہ کیا ہے کہ جب کبھی ہم چند احباب آپس میں معمولی باتیں اصلاح اعمال وغیرہ کے متعلق کرتے تھے تو ہندو غور سے اُن باتوں کو سنتے اور آپس میں کہتے تھے کہ ان لوگوں کی باتوں کی طرف دل کھنچتا ہے۔ دوسرا جواب دیتا تھا کہ ان کی باتیں سچی ہیں اور سچائی کی طرف دل کھنچا ہی کرتا ہے۔ ایک مرتبہ ریل میں ہم باتیں علمی کر رہے تھے۔ وہاں ہندو بھی موجود تھے جب اسٹیشن آگیا اور ہم اُترنے لگے تو ایک ہندو کہنے لگا کہ آپ تو سارا نور اپنے ساتھ لے چلے جب تک آپ ریل میں رہے ایک نور ہمارے ساتھ تھا۔ آخر یہ کیا بات تھی۔ صاحبو! کفار کو بھی اسلام کی باتوں میں نور کا احساس ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم جب کسی کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو اس کو نہ روپیہ کا لالچ دیتے ہیں نہ اپنی طرف کشش کرنے کے لئے جبر کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ کانپور میں ایک عیسائی میرے پاس آیا کہ مجھے مسلمان کر لو اور میرے واسطے دو سو ۲۰۰ روپیہ چندہ کرا دو تاکہ میں اس سے تجارت شروع کر کے معاش پیدا کر سکوں۔ میں نے کہا کہ تم دو سو روپیہ کہتے ہو میں ایک روپیہ بھی چندہ سے جمع نہ کروں گا اور نہ ہمکو اس کی ضرورت ہے اگر تم اسلام کو حق سمجھ کر اپنی نجات کے واسطے اختیار کرتے ہو تو ہمیں تم سے یہ کہنے کا حق ہے کہ تم اس دولت کا نشان بتلانے کے معاوضہ میں ہم کو کچھ دو نہ کہ اُلٹا تم ہم سے مانگتے ہو ہم اس کا وعدہ ہرگز نہ کریں گے چاہے اسلام لاؤ یا نہ لاؤ۔ چونکہ وہ سچے دل سے اسلام لانا چاہتا تھا اس لئے اسنے کہا کہ میں اپنا قول

اسلام کی حقانیت پر دلیل کہ اسکو زور و زر کی ضرورت نہیں۔

واقعات سے اس کا ثبوت

واپس لیتا ہوں اور میں آپ سے ایک پیسہ بھی نہیں مانگتا۔ میں تو صرف مسلمان ہونا چاہتا ہوں روزی کا خدا مالک ہے۔ جب اُس نے یہہ کہا تب میں نے اُسے مسلمان کیا۔ پھر اسلام کے بعد چونکہ وہ ہمارا بھائی ہوگیا اور بھائی کی اعانت و امداد انسانیت و مروت کا مقتضا ہے تو پھر ہم نے اس کی خدمت بھی کی۔ مگر اسلام لاتے وقت صاف انکار کر دیا [۵۷]

دوسرے یہہ کہ اسلام میں دو چیزیں ہیں۔ اصول و فروع۔ عقائد کو اصول کہتے ہیں اور اعمال کو فروع۔ اور اسپر سب عقلاء کا اتفاق ہے کہ ہر مذہب کی خوبی کا مدار اُس کے اصول کی پاکیزگی پر ہے جس کے اصول پاکیزہ اور حق ہیں اُس کے فروع بھی پاکیزہ ہوں گے اسلئے مخالفین کے سامنے ہمکو سب سے پہلے اصول اسلام کی پاکیزگی ثابت کرنا چاہیئے کیونکہ اصول عقلی ہوتے ہیں۔ اُن پر عقلی دلائل قائم کرکے خصم کو مجوج کر سکتے ہیں اور فروع کا عقلی ہونا لازم نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ ان کا ثبوت عقل سے ہو بلکہ بہت فروع سمع و نقل سے ثابت ہوتے ہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ فروع عقل کے خلاف نہوں سو بحمد اللہ اصول اسلام سب عقلی ہیں اور فروع عقل کے خلاف نہیں ہیں پس سب سے پہلے کفار کے سامنے توحید و رسالت کو ثابت کیا جائے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرلیں گے تو اس کے بعد جس فروعی مسئلہ کی وہ دلیل مانگیں اس کے جواب میں اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاں ارشاد سے ثابت ہے خواہ صراحۃً یا دلالۃً اس کے بعد اگر وہ یہ کہے کہ یہ حکم عقل کے خلاف ہے تو ہمارے ذمہ اس کا اثبات ہوگا کہ یہ حکم خلاف عقل نہیں ہے کیونکہ خلاف عقل محال ہوتا ہے یا قبیح اور یہ حکم نہ مستلزم محال ہے نہ اس میں کوئی قبح ہے اس طریقہ سے گفتگو مختصر اور سہل ہو جاتی ہے۔ بہر حال اصول

اصول اسلام عقلی ہیں اور فروع [illegible]

---

۵۷ یہاں سے مخالفین اسلام کے اُس اعتراض کا جواب دیا گیا کہ اسلام مال کے لالچ سے پھیلایا گیا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کیلئے اسلام میں ایک خاص حکم وارد ہے۔ ان لوگوں نے تالیف قلب کی حقیقت نہیں سمجھی اسلام میں تالیف قلب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگوں سے یوں کہا جائے کہ تم اسلام قبول کرلو ہم تمکو اتنا روپیہ دیں گے یا زمین و جائداد دیں گے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرلے یا قبول کرنا چاہتا ہو اس کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا برتاؤ کیا جائے اور اگر وہ محض روپیہ کے لالچ سے اسلام لانا چاہتا ہو تو اس صورت میں اُس سے صاف کہہ دینا چاہیئے کہ ہم روپیہ دینے کا وعدہ نہیں کرتے اور نہ اس وعدہ پر تم کو مسلمان کر سکتے ہیں۔ اگر تم اسلام کو حق سمجھتے ہو تو اسلام لاؤ اور جو ہمارا حال ہے اُسی حال پر تم بھی رہو محنت و مزدوری کرو اور کھاؤ کماؤ ۱۲ جامع۔

اسلام سب عقلی ہیں۔ جن میں توحید اصل الاصول ہے۔ اب اسلام کی خوبی دیکھئے کہ اس میں توحید ایسی کامل ہے کہ دنیا کے کسی مذہب کی توحید ایسی کامل نہیں۔ چنانچہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اسلام میں حرام ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں نے فارس اور روم کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم بھی آپ کو سجدہ کیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حرمت کو کس عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا جس سے اس فعل کی لغویت بخوبی ظاہر ہوگئی۔ فرمایا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تم میرے مرنے کے بعد میری قبر پر گذرو تو کیا میری قبر کو بھی سجدہ کروگے۔ حضرات صحابہ کیسے سلیم العقل تھے۔ جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا تو اب ہی کیوں سجدہ کرتے ہو۔ خوب سمجھ لو کہ غیر خدا کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ اور اگر میں خدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ جائز کرتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں (حضور نے اس جواب میں بتلادیا کہ جو چیز فانی ہے اور اس کے ظہور فنا کے بعد تم اس کو سجدہ کرنا گوارا نہیں کرتے وہ اس وقت بھی سجدہ کے قابل نہیں کیونکہ وہ اسوقت بھی فانی ہے۔ حضرات صحابہ سلیم العقل تھے اس بات کو سمجھ گئے کہ مرنے کے بعد انسان سجدہ کے قابل نہیں ۱۲۔ جامع)

اگر آج کل کے لوگ ہوتے تو کہتے حضور ہم تو آپ کی قبر کو ایک بار کیا چار مرتبہ سجدہ کریں گے۔ اس واقعہ سے اسلام کی توحید کا کامل ہونا معلوم ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اشاعتِ اسلام سے اپنی تعظیم کرانا نہ تھا کیونکہ جو شخص بڑا بننا چاہتا ہے وہ تو خود اس کی کوشش کرتا ہے کہ لوگ میرے سامنے جھکیں مگر حضور کی یہ حالت ہے کہ لوگ از خود آپ کو سجدہ کرنا چاہتے تھے اور آپ نے ان کو اس سے منع کیا اور صرف منع ہی نہیں کیا بلکہ اپنا فانی ہونا ان پر ظاہر کردیا مگر پھر بھی بعض جہلاء کفر کا حضور پر یہ اعتراض ہے کہ آپ (نعوذ باللہ) بڑا بننا چاہتے تھے (ور دلیل میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضور نے حج کے موقعہ پر ایک صحابی کو اپنے موئے مبارک دئے تھے کہ مسلمانوں میں ان کو تقسیم کردو اس پر وہ جاہل لکھتا ہے کہ دیکھئے حضور نے اپنے بال اس لئے تقسیم کرائے۔ تاکہ لوگ ان کو تبرک سمجھ کر تعظیم سے رکھیں تو گویا آپ نے بڑا بننا چاہا۔ استغفر اللہ یہ

اسلام میں غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے

اگر اس وقت اسلام سے حضور کو اپنی تعظیم کرانی مقصود ہوتی تو اپنے لئے سجدہ کو حرام نہ فرماتے

واقعہ موئے مبارک پر ایک جاہل کا اعتراض اور اس کا جواب

یہ آج کل کی فہم و عقل ہے۔ افسوس اس شخص کو عبادت و محبت سے مقتضی میں بھی فرق معلوم نہیں۔ واقعی کفار کو محبت و عشق کا چرکہ نہیں لگا۔ اسی واسطے وہ ایسے واقعات کی حقیقت نہیں سمجھتے۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو جواب بھی نہ دیا جائے اور یہہ کہدیا جاوے سه

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

مگر تبرعاً میں اس کا جواب دیتا ہوں تاکہ کسی مسلمان کو اگر اس اعتراض سے شبہ پڑگیا ہو تو وہ اس جواب سے تسلی حاصل کر سکے۔ بات یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال کن لوگوں میں تقسیم کرائے تھے۔ آپنے اُن لوگوں میں اپنے بال تقسیم کرائے تھے جن کی محبت کی یہ حالت تھی کہ جب آپ وضو کرتے تھے تو وضو کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ آپ کا تھوک اور سارا وضو کا پانی اپنے ہاتھوں میں لیتے تھے منہ کو ملتے اور اُسے آنکھوں سے لگاتے تھے اور ہر شخص اس کی کوشش کرتا تھا کہ سب سے پہلے آپ کے وضو کا پانی اور آپ کا تھوک میرے ہاتھ میں آئے۔ چنانچہ اس کوشش میں ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا اور ان کی محبت کا یہ حال تھا کہ ایک بار حضور نے پچھنے لگوائے اور اس کا خون ایک صحابی کو دیا کہ اس کو کسی جگہ احتیاط سے دفن کر دو۔ صحابی کی محبت نے گوارا نہ کیا کہ حضور کا خون زمین میں دفن کیا جائے۔ اُنہوں نے الگ جا کر اُسے خود پی لیا۔ اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ (نعوذ باللہ) صحابی بہت ہی بجس تھے کہ ان کو تھوک ملتے ہوئے اور خون پیتے ہوئے گھن نہ آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ ان امور کا تعلق عشق و محبت سے ہے اور اس کی حقیقت عاشق ہی سمجھ سکتا ہے جس کا مذاق یہ ہوتا ہے سه

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

صاحبو! اگر آپ کو کبھی کسی سے عشق ہوا ہو تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عاشق بعض دفعہ محبوب کی زبان اپنے منہ میں لیکر چوستا ہے اور عشاق نے لعاب دہن محبوب کی مدح میں دفتر کے دفتر اشعار میں لکھ گئے ہیں تو کیا یہ بجس ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہ بجس ہیں تو یوں سمجھئے کہ ساری دنیا بے حس ہے۔ کیونکہ محبت میں ہر شخص یہی کرتا ہے۔ کوئی عاشق اس سے بچا ہوا نہیں۔ اسی طرح اگر کسی کے محبوب کے بدن میں سے خون بہنے لگے تو

عشاق اُس جگہ منہ لگا کر خون کو چوستے ہیں تاکہ محبوب کو زخم کی تکلیف کا احساس نہ ہو یا کم ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ محبوب کا خون چوسنا بھی کوئی گھن کی چیز نہیں۔ عاشق کو اس سے جو حظ ہوتا ہے اُس سے دل سے پوچھنا چاہئے پھر جب ادنیٰ محبوب کا لعاب دہن اور خون گھن کی چیز نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوک اور پسینہ اور خون تو کیوں کر گھن کی چیز ہو سکتا ہے کیونکہ حضور کی حالت یہ تھی کہ قدرتی طور پر آپ کا تمام بدن خوشبودار تھا۔ آپ کے پسینہ میں اس قدر خوشبو تھی کہ عطر کی خوشبو اُس کے سامنے بے حقیقت چیز تھی۔ آپ کا لعاب دہن نہایت خوشبودار اور شیریں تھا اور یہی حال آپ کے خون کا تھا۔ تو ایسی چیز سے کون شخص گھن کر سکتا ہے مگر کفار کو ان امور کی کیا خبر۔ نہ ان کو عشق و محبت کی ہوا لگی ہے نہ حضور کے حالات سے اطلاع ہے ۱۲۔ جامع)

بہر حال صحابہ آپ کے ایسے عاشق تھے کہ وضو کا پانی بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور اس کو ہاتھوں ہاتھ لینے کے لئے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے تھے تو ایسی جماعت سے یہ کیا امید تھی کہ وہ آپ کے بالوں کو زمین میں دفن ہونے دیتے کیونکہ یقیناً بال کا درجہ وضو کے پانی سے زیادہ تھا۔ اُس کو محض جسم سے تلبس ہوا تھا اور یہ تو بدن کا جزو ہے۔ پس اگر آپ اپنے بالوں کو دفن کراتے تو یقیناً صحابہ زمین میں سے ان کو نکالنے کی کوشش کرتے پھر اس میں ہر شخص یہ کوشش کرتا کہ میرے ہاتھ زیادہ بال آئیں تو ایک دوسرے پر گرتا اور عجب نہیں کہ قتال کی نوبت آجاتی۔ اس لئے حضور نے اس نزاع و قتال سے صحابہ کو بچانے کے لئے اپنے بال خود ہی تقسیم کرا دئے اور دفن نہ کرائے۔ بتلائیے کہ اب اس میں کیا اشکال ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ آپ کا اپنے بال تقسیم کرانا اپنی تعظیم و عبادت کے لئے نہ تھا بلکہ صحابہ کی محبت پر نظر کرتے ہوئے اُن کے نزاع و قتال کے رفع دفع کرنے کے لئے تھا۔

حضور کی تواضع کا کمال

اگر معاذ اللہ حضور میں ذرہ برابر بھی بڑائی و تکبر کا خیال ہوتا تو آپ عمدہ لباس پہنتے۔ عمدہ مکان بناتے۔ نفیس نفیس کھانے کھایا کرتے۔ آپ کے پاس خزانہ جمع ہوتا مگر تاریخ شاہد ہے اور احادیث میں صحیح طریقہ سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس موٹا جھوٹا ہوتا تھا۔ آپ کے مکانات سب کچے تھے آپ اپنے پاس

کچھ بھی نہ رکھتے تھے یہ نہیں کہ آپ کے پاس مال آتا نہ تھا نہیں۔ بعض جنگ میں اتنا مال آیا کہ اسکی شمار نہیں ہو سکتی تھی۔ بکریوں سے جنگل بھر گئے اور آپنے سب بکریاں ایک اعرابی کو اس کے سوال پر عطا فرما دیں اور اونٹ اس قدر تھے کہ آپ نے کسی کو سو اسی کو دو دو سو عنایت فرمائے۔ جب بحرین کا جزیہ آیا تو اتنا روپیہ تھا کہ مسجد کے اندر سونے کا ڈھیر لگ گیا مگر آپنے تھوڑی سی دیر میں سب کا سب صحابہ کو تقسیم فرما دیا اور اپنے واسطے ایک درہم بھی نہ رکھا تو کیا بڑائی چاہنے والا یہ گوارا کر سکتا ہے کہ خود تو خالی ہاتھ رہے اور مخلوق کو مالا مال کر دے۔ پھر آپ کی حالت یہ تھی کہ راستہ میں جب چلتے تھے تو صحابہ کو اپنے سے آگے چلنے کا حکم کرتے تھے اور خود پیچھے چلتے۔ بعض دفعہ کوئی صحابی سواری پر سوار ہوتے اور آپ اُن کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے وہ اُترنا چاہتے اور آپ منع فرماتے اکثر آپ اپنا سودا بازار سے خود لے آیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی کام میں آپ سے امداد لینا چاہتا تو آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتا لیجاتا اور آپ اُس کا کام کر دیتے تھے۔ گھر میں آکر آپ اپنے گھر کے کام بھی کرتے تھے۔ کبھی بکری کا دودھ خود نکال لیا۔ کبھی جوتا اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیا۔ کبھی آٹا گوندھ دیا۔ آپ بعض دفعہ زمین پر بیٹھ جاتے بورے پر لیٹ جاتے تھے جس سے آپ کے پہلو پر نشان ہو جاتے۔ بعض دفعہ کسی یہودی کا آپ پر قرض ہوتا اور وہ تقاضا کرنے میں سختی کرتا بُرا بھلا کہتا اور حضرات صحابہ کو یہودی پر غصہ آتا وہ اُس کو دھمکانا چاہتے تو آپ صحابہ کو منع فرماتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ حقدار کو کہنے سننے کا حق ہے۔ اس جاہل معترض سے کوئی پوچھے کہ کیا بڑائی اور عظمت چاہنے والوں کے یہی حالات ہوا کرتے ہیں۔ افسوس اُس نے ایک بال تقسیم کرنے کا واقعہ لے لیا اور ان تمام واقعات سے اندھا ہو گیا سو میری تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ بال تقسیم کرنے کا واقعہ بھی بڑائی یا عظمت کے لئے نہ تھا بلکہ اُس میں دینی تمدنی اور سیاسی مصلحت تھی جو میں نے ابھی ذکر کی۔ دوسرے حضور نے اپنے بال تقسیم فرما کر قیامت تک کے لئے یہ بات تبلا دی کہ میں فانی ہوں اور بشر ہوں کیونکہ بال متغیر و حادث ہیں کبھی وہ سر کے اوپر ہیں کبھی اُسترے سے مونڈ کر جدا کئے جاتے ہیں تو جو شخص حضور کے بالوں کو دیکھے گا (چنانچہ بعض جگہ بحمد اللہ اب تک آپ کے بال محفوظ ہیں اور لوگ ان کی زیارت کرتے ہیں) تو وہ حضور کے فانی و بشر ہونے پر استدلال کرے گا اور سمجھ جائے گا کہ آپ انسان تھے خدا نہ تھے تو اس سے آپنے مسلمانوں کی توحید کو کامل

فرمایا کہ اپنی عظمت و بڑائی چاہی ؎ چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند + باب توحید میں مخالفین[1] کو استقبال قبلہ پر بھی اعتراض ہے کہ مسلمان کعبہ کی پرستش کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ ہم کعبہ کی پرستش نہیں کرتے بلکہ عبادت خدا کی کرتے ہیں اور صرف منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس بہت سے دلائل ہیں ایک یہ کہ ہم خود اُس کی معبودیت کی نفی کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی عابد اپنے معبود کی معبودیت کی نفی نہیں کیا کرتا۔ دوسرے یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے اگر کسی کے دل میں کعبہ کا خیال بھی نہ آوے مگر کعبہ کیطرف منہ ہے تو نماز درست ہے چنانچہ بہت لوگ ایسے ہیں کہ وہ مسجد میں آکر نماز شروع کردیتے ہیں اور کعبہ کا کچھ بھی خیال اُن کو نہیں آتا اُن کی نماز درست ہے اگر ہم کعبہ کی عبادت کرتے تو اُس کی نیت کرنا شرط ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی وقت کعبہ نہ رہے جب بھی نماز فرض رہے گی اور اُسی طرف منہ کیا جائے گا جہاں کعبہ موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کعبہ کے اینٹ پتھروں کو نہیں پوجتے ورنہ انہدام کعبہ کے بعد نماز موقوف ہو جاتی۔ چوتھے یہ کہ اگر کوئی شخص سقف کعبہ پر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے۔ اگر کعبہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو اُس کے اوپر چڑھکر نماز صحیح نہ ہوتی کیونکہ اب کعبہ اس کے سامنے نہیں ہے۔ دوسرے معبود کے اوپر چڑھنا گستاخی ہے اس حالت میں کسی طرح نماز درست نہ ہونا چاہیئے تھی۔ مگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کعبہ کی چھت پر بھی نماز صحیح ہے تو کیا معبود کے اوپر چڑھا بھی کرتے ہیں۔ ہاں معترضین نے اپنے اوپر قیاس کیا ہوگا کہ وہ گائے بیل کو دیوتا و معبود بھی سمجھتے ہیں پھر اُن کے اوپر سوار بھی ہوتے ہیں۔ مگر اس کا خلاف عقل ہونا ظاہر ہے۔ ایک[2] اعتراض تقبیل حجر پر بھی ہے کہ مسلمان اُسکو بوسہ دیتے ہیں تو گویا نعوذ باللہ اُس کی عبادت کرتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ تقبیل حجر عظمت سے نہیں بلکہ محبت سے ہے جیسے بیوی بچوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں۔ اگر بوسہ دینا عبادت و عظمت کی دلیل ہے تو لازم آوے گا کہ ہر شخص اپنی بیوی کی عبادت کرتا ہے اور اس کا لغو ہونا بدیہی ہے معلوم ہوا کہ تقبیل عبادت و تعظیم کو مستلزم نہیں بلکہ کبھی محبت سے بھی تقبیل ہوا کرتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ پھر تم حجر اسود سے محبت کیوں کرتے ہو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ ہمارے گھر کی بات ہے اس لئے متعلق مخالف کو سوال کرنے کا حق نہیں دیکھئے اگر کوئی شخص عدالت میں یہ دعویٰ دائر کرے کہ فلاں مکان میری ملک ہے تو

[1] استقبال قبلہ پر اعتراض کا جواب

[2] تقبیل حجر اسود پر اعتراض کا جواب

ن سے اسپر ثبوت طلب کیا جائیگا لیکن جب وہ ثبوت پیش کر دے تو خصم کو اس سوال کا حق
نہیں کہ اچھا مکان تو تمہارا ہی ہے مگر یہ بتلا دو کہ اس گھر میں کیا کیا سامان ہے یا کوئی
شخص بیوی کا بوسہ لے تو اُس سے یہ سوال تو ہو سکتا ہے کہ تم اس کا بوسہ کیوں
لیتے ہو لیکن جب وہ یہ بتلا دے کہ میں محبت کی وجہ سے بوسہ لیتا ہوں تو پھر اس
سوال کا کسی کو حق نہیں کہ تم کو بیوی سے محبت کیوں ہے اور تم دن رات میں اُس کے
کتنے بوسہ لیتے ہو - اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس کی وجہ بتلا نہیں سکتے کہ ہم کو
اُس سے محبت کیوں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخالفین کے اعتراضات کا جواب اُسی حد
تک دینا چاہیئے جہاں تک ان کو سوال کا حق ہے اور جو سوال اُن کے منصب سے باہر
ہو اس کا جواب نہ دینا چاہیئے بلکہ صاف کہہ دینا چاہیئے کہ تم کو اس سوال کا کوئی حق
نہیں - مخالفین کا دماغ ہر بات کی حقیقت سمجھنے کے قابل نہیں - امور دقیقہ کو اُن کے
سامنے نہ بیان کرنا چاہیئے - بعض لوگ اس پر تعجب کرتے ہیں کہ وہ بات کونسی ہے جسکو
ہم نہیں سمجھ سکتے - آخر ہم بھی تو انسان ہیں اگر باریک بات ہمارے سامنے بیان کیجائے
تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کو نہ سمجھ سکیں - میں کہتا ہوں کہ اگر یہی بات ہے تو پھر میں
ایک ریاضی داں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اقلیدس کی کوئی شکل ایک گھسیارے
کو سمجھا دیں - جس نے اقلیدس کے مبادی و اصول موضوعہ کو کبھی سنا بھی نہو
یقیناً وہ اقرار کرے گا کہ میں ایسے شخص کو اقلیدس کی اشکال نہیں سمجھا سکتا - آخر کیوں
کیا وہ انسان نہیں - مگر بات وہی ہے کہ بعض امور کے لئے مبادی و مقدمات کا
سمجھنا ضروری ہوتا ہے اس لئے ان کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے ذہن میں تمام مبادی
و مقدمات حاضر ہوں - ہر شخص ان کو نہیں سمجھ سکتا اور یہ بالکل موٹی بات ہے
مگر حیرت ہے کہ آجکل کے عقلاء کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی - میرے پاس ایک
ایڈیٹر صاحب آئے اور انہوں نے تقدیر کے متعلق ایک دقیق سوال مجھ سے کیا
میں نے کہا کہ آپ اس کا جواب سمجھ نہیں سکتے - بہت دقیق ہے جو آپ کی فہم سے باہر
ہے اُن کو اس جواب پر حیرت ہوئی اور شاید وہ یہ سمجھے ہوں کہ مولوی میرے جواب پر
قادر نہیں ہیں - اس لئے میں نے کہا کہ اگر آپ کو اس کا جواب سننے کا شوق ہے تو اُس کی
صورت یہ ہے کہ کسی طالب علم کو میرے پاس لایا جائے جس کے ذہن میں اُس علم کے مقدمات

حاضر ہوں جس سے اس سوال کا تعلق ہے۔ وہ مجھ سے یہی سوال کرے میں اُس کے سامنے
جواب کی تقریر کر دوں گا۔ آپ بھی سن لیجئے گا اُس وقت آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ
اس کا جواب سمجھ سکتے ہیں یا نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جاویگا کہ ہم لوگوں کے پاس اس کا
جواب ہے۔ مگر آجکل تعلیم یافتہ جماعت یہ سمجھتی ہے کہ جب ہم سیاسیات دنیویہ کو خوب سمجھتے ہیں
تو سیاسیات ملیہ کو بھی بخوبی سمجھ لیں گے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ سیاسیات ملیہ کو سمجھنے کی اُن میں
خاک بھی قابلیت نہیں بس وہ یورپ ہی کی سیاسیات کو شاید سمجھ لیتے ہوں گے بلکہ میں ترقی
کر کے کہتا ہوں کہ سیاسیات ملیہ سمجھنے کی قابلیت اہل علم میں بھی سب کو نہیں۔ چنانچہ اب
اُن کی سیاسی غلطیوں کا انکشاف ہو رہا ہے کل جن چیزوں کو وہ حرام کہہ رہے تھے آج اُنکے
جواز کا فتوے دیا جا رہا ہے۔ کل تک گاڑھا پہننا واجب وضروری تھا ولایتی کپڑا پہننا
قابل مؤاخذہ تھا آج کچھ بھی نہیں۔ سب خاصی طرح ولایتی مال خریدنے لگے اور ساری ترک
موالات ختم ہو گئی اور تماشا یہ ہے کہ آجکل جو یہ تحریک انسداد فتنۂ ارتداد چل رہی ہے
اس کے متعلق ایسے بعض علماء نے ایک اشتہار میں شائع کیا ہے کہ یہ تحریک چونکہ خالص مذہبی
تحریک ہے اس لئے اس میں ہر طبقہ کو شریک ہونا چاہئے اس سے معلوم ہوا کہ پہلی
تحریکات خالص مذہبی نہ تھیں اُس میں غیر مذہب کا بھی دخل تھا دل میں تو اُن تحریکات کی
حقیقت کو وہ سمجھ ہی رہے تھے مگر الحمد للہ برسوں کے بعد اب زبان سے بھی اقرار کر لیا
کہ یہ پہلی تحریکات خالص مذہبی نہ تھیں پھر نہ معلوم اُن میں شرکت نہ کرنیوالوں کو کافر
و فاسق کیوں بنایا گیا تھا۔ یقیناً جو امر مذہب و غیر مذہب سے مرکب ہوگا وہ فرض اور
واجب کبھی نہیں ہو سکتا مگر ستم ہے کہ ان لوگوں نے تحریکات سابقہ کی شرکت کو فرض
و واجب بنا رکھا تھا۔ صاحبو! مذہب میں بھی سیاسیات کا بہت بڑا حصہ ہے مگر وہ سب
مذہب کے تابع ہے اور وہ سیاسیات خالص مذہبی سیاسات ہیں۔ ان میں غیر مذہب
کا دخل ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر ان حضرات کے نزدیک پہلی تحریکات مذہبی سیاسیات میں
داخل تھیں تو اُن کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ تحریک انسداد ارتداد خالص مذہبی تحریک
ہے اس میں سب کو شریک ہونا چاہئے اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تحریکات
خالص مذہبی نہ تھیں تو پھر وہ مذہبی سیاسیات میں بھی داخل نہ تھیں۔ میں یہ کہہ رہا
تھا کہ مخالفین کا جو سوال اُن کے منصب سے باہر ہو اس کا جواب نہ دینا چاہئے بلکہ صاف

کہدینا چاہئے کہ تم کو اس سوال کا حق نہیں ہے۔ اس میں تم اپنے منصب سے آگے بڑھ رہے
ہو۔ مگر آجکل بعض لوگ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مخالف کی ہر بات کا جواب دیں
خواہ اس کا جواب بجا ہو یا بیجا یہ بڑی غلطی ہے۔ اس طرح تو کبھی گفتگو کا سلسلہ ختم نہ ہوگا
پس اگر مخالفین ہم سے یہ کہیں کہ تم کعبہ کی طرف منہ کرتے ہو اس سے اس کی عبادت لازم آتی
ہے۔ اس کا جواب دینا ہمارے ذمہ ضروری ہے۔ چنانچہ میں نے چند جوابات دیئے ہیں کہ ہماری
نماز نہ کعبہ کے وجود پر موقوف ہے نہ اس کی نیت ضروری ہے نہ اس کی دیواروں کا سامنے
ہونا ضروری ہے بلکہ اس کی چھت پر بھی نماز ہو سکتی ہے اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ ہم اسکی
عبادت نہیں کرتے۔ اس کے بعد اگر وہ یہ کہیں کہ اچھا پھر تم اس کی طرف منہ کیوں کرتے ہو
اس سوال کا جواب ان کو نہ دیا جائے گا بلکہ ہم صاف کہہ دیں گے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ ہم
کعبہ کی عبادت نہیں کرتے تو اس سوال کا آپ کو کوئی حق نہیں یہ ہمارے گھر کی بات ہے
تم گھروالے بنجاؤ اس وقت تمکو گھر کی باتیں بھی بتادیں گے۔ ہمارے جی کی خوشی۔ ہم نے
جس طرف چاہا نماز میں منہ کرلیا۔ تم اس میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو۔ علی ہذا اگر
وہ یہ کہیں کہ تم حجر کی تقبیل کرکے اس کی عبادت کرتے ہو اس کا جواب ضرور دیا جائے گا
کہ ہم عبادت نہیں کرتے بلکہ محبت سے بوسہ دیتے ہیں۔ جیسے تم اپنی بیوی کو بوسہ
دیا کرتے ہو۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اچھا یہ بتلادو کہ تم کو حجر اسود سے محبت کیوں ہے اسکا
جواب نہ دیا جائے گا بلکہ صاف کہہ دیں گے کہ جس طرح ہم کو آپ سے اس سوال کا حق نہیں
کہ آپ کو اپنی بیوی سے محبت کیوں ہے۔ اسی طرح آپ کو اس سوال کا بھی حق نہیں اس پر
شاید سامعین یہ کہیں کہ اچھا مخالفوں کو نہ بتلاؤ ہم کو تو بتلادو ہم تو گھر کے آدمی ہیں سو
بیشک آپ کو اس کی وجہ بتلائی جاوے گی میں نے اس وقت خاص خاص قواعد بتلائے
ہیں کہ مخالفین سے کس طرح گفتگو کرنا چاہئے اور ان سے کس سوال کا جواب دینا چاہئے
کس کا نہیں اور کونسی بات ان سے کہنی چاہئے کونسی نہیں۔ اب آپ کو بتلاتا ہوں سنئے
استقبال قبلہ کا راز یہ ہے کہ عبادت کی روح دلجمعی اور یکسوئی ہے۔ بدون دلجمعی اور یکسوئی
کے عبادت کی صورت ہی صورت ہوتی ہے۔ روح نہیں پائی جاتی اور یہ ایسی بات ہے
جس کو تمام اہل ادیان تسلیم کرتے ہیں۔ اب سمجھئے کہ اجتماع خواطر میں اجتماع ظاہر کو بہت بڑا
دخل ہے۔ اسی لئے نماز میں سکون اعضاء کا امر ہے۔ التفات و عبث سے ممانعت ہے۔

استقبال قبلہ کا راز

صف کے سیدھا کرنے کا امر ہے کیونکہ صف کو ٹیڑھا کرنے سے قلب پریشان ہوتا ہے عام قلوب کو اس کا احساس کم ہوگا کیونکہ اُن کو دلجمعی اور یکسوئی بہت کم نصیب ہے مگر جن کو نماز میں دل جمعی کی دولت نصیب ہے اُن سے پوچھئے کہ صف ٹیڑھی ہونے سے قلب پر کیا اثر ہوتا ہے۔ صوفیہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ صف غیر منتظم سے قلب کو خلجان و پریشانی ہوتی ہے۔ اسی دل جمعی کے لئے سجدہ گاہ پہ نظر جمانے کی تاکید ہے کیونکہ جگہ جگہ نظر گھمانے سے بھی قلب کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی اور یہی اصل ہے تمام اشغال الصوفیہ کی۔ صوفیہ جو مراقبات و اشغال تعلیم کرتے ہیں اُن سے محض یہی یکسوئی و جمعیت قلب پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہی اصل تھی قیام مولد کی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ صوفیہ نے (جیسے امام غزالی وغیرہ) آداب وجد میں لکھا ہے کہ جب کسی شخص پر وجد طاری ہو اور وہ کھڑا ہو جائے تو سب حاضرین کو اس میں اس کی موافقت کرنا اور سب کو کھڑا ہو جانا چاہیئے تاکہ اوروں کو بیٹھا ہوا دیکھ کر صاحب وجد کو خلجان نہ ہو اور اس کے وجد میں انقباض نہ آئے۔ تو مولد میں بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی صاحب وجد نے غلبۂ وجد میں قیام کیا ہوگا۔ حاضرین نے موافق ادب مذکور کے قیام میں اس کی موافقت کی ہوگی۔ پس لوگوں نے آئندہ قیام مولد کو لازم اور ضروری ہی سمجھ لیا جس سے وہ قابل منع ہوگیا۔ غرض اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ اجتماع خاطر میں اجتماع ظاہر کو بہت بڑا دخل ہے۔ پس نماز میں اگر ایک خاص جہت مقرر نہ ہوتی تو کوئی کسی طرف منہ کرتا کوئی کسی طرف منہ کرتا۔ اس اختلاف جہات و تباین ہیئات سے تفرق قلب ہوتا۔ لہٰذا یکسوئی کے لئے ایک خاص جہت مقرر کردی گئی۔ رہا یہ کہ وہ کعبہ ہی کی جہت کیوں مقرر ہوئی کوئی اور جہت کیوں نہ ہوئی اس سوال کا کسی کو حق نہیں۔ کیونکہ یہ سوال تو اس دوسری جہت میں بھی ہو سکتا ہے کہ یہی کیوں ہوئی۔ دوسری کیوں نہ ہوئی۔ دیکھئے عدالت وقت مقرر کرتی ہے کہ کچہری کا وقت فلاں وقت سے فلاں وقت تک ہے تو آپ یہ سوال تو کر سکتے ہیں کہ وقت مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جس کا جواب یہ دیا جائیگا تاکہ کام کرنیوالے سب کے سب معاً حاضر ہو سکیں اور رعایا اہل حاجت کو وقت مقرر ہونے سے اطمینان ہو جائے کہ عدالت کا یہ وقت ہے اس کے علاوہ اوقات میں وہ اپنے دوسرے کام کر سکیں۔ اگر وقت مقرر نہو تو ہر شخص کو تمام دن عدالت میں ہی رہنا پڑتا کہ نہ معلوم حاکم کس وقت آجائے باقی اس سوال کا کسی کو حق نہیں کہ

اشغال الصوفیہ و قیام مولد کی اصل

اس سوال کا کسی کو حق نہیں کہ اجتماع خاطر کے لئے جہت کعبہ ہی کیوں مقرر ہوئی

کہ گورنمنٹ نے دس بجے سے چار بجے تک ہی کا وقت کیوں مقرر کیا کوئی اور وقت مقرر کردیا ہوتا کیونکہ وہ کوئی بھی وقت مقرر کرتی یہ سوال تو کبھی ختم نہ ہو سکتا تھا۔ علی ہذا ہمکو یہ بتلانیکی ضرورت نہیں کہ جہت کعبہ ہی کو استقبال کے لئے کیوں مخصوص کیا گیا وہاں اس کا راز ہمنے بتلا دیا کہ خاص جہت کی تعین میں کیا مصلحت ہے۔ یہ جواب تو ضابطہ کا ہے اور طالب کے لئے جوابِ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اُن کی (یعنی حق تعالیٰ کی) توجہ کس طرف زیادہ ہے جس طرف اُن کی توجہ زیادہ تھی اُسی کو جہت صلوٰۃ مقرر فرما دیا رہا یہ کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی توجہ کعبہ کی طرف زیادہ ہے سو جنکے آنکھیں ہیں وہ جانتے ہیں کہ واقعی کعبہ پر تجلیات الٰہیہ بہت زیادہ ہیں اور توجہ سے یہی مراد ہے اور وہی تجلیات روح کعبہ اور حقیقت کعبہ ہیں یہی وجہ ہے کہ کعبہ ظاہری کی جہت پر بھی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ اسوقت گو صورت کعبہ سامنے نہیں مگر حقیقت کعبہ یعنی تجلی الٰہی تو سامنے ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان دراصل تجلی الٰہی کا استقبال کرتے ہیں کعبہ کی دیواروں کا استقبال نہیں کرتے مگر چونکہ تجلی الٰہی کا احساس ہر شخص کو نہیں ہوتا اس لئے حق تعالیٰ نے اس خاص بقعہ کی حد مقرر فرما دی جس پر ان کی تجلی دوسرے مکانوں سے زیادہ ہے پس یہ عمارت محض اس تجلی اعظم کی جگہ دریافت کرنے کے لئے ہے ورنہ خود عمارت مقصود بالذات نہیں چنانچہ انہدام عمارت کے بعد نماز کا موقوف نہ ہونا اور کعبہ کی جہت پر نماز کا درست ہونا[۵] اس کی دلیل ہے۔ فقہاء نے اس راز کو سمجھا ہے اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ قبلہ وہ ہوا ہے جو کعبہ کی محاذات میں آسمان تک اور اُس سے نیچے زمین کے اسفل طبقات تک ہے لیکن چونکہ عمارت کعبہ کو اور اس جگہ کو تجلی الٰہی سے تلبس ہے اس تلبس کی وجہ سے اُس میں بھی برکت آ گئی۔ اور یہی تجلی اہل لطائف کے نزدیک معنی ہیں الرحمٰن علی العرش استویٰ کے یعنی عرش پر تجلی رحمانیت ہوئی ہے۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ عرش پر خدا تعالیٰ بیٹھے ہیں اور وہ انکا مکان ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ مکان کو مکین کے برابر یا کم از کم اُس کے متقارب ہونا چاہئے اگر کوئی شخص زمین پر بیٹھے اور اس کے نیچے رائی کا دانہ آ جائے تو زمین کے خاص حصہ کو تو اس کا مکان کہا جائے گا رائی کے دانہ کو کوئی شخص اس کا مکان نہ کہے گا کیونکہ انسان سے اس کو کچھ بھی نسبت نہیں

---

۵ اسیطرح اگر اندھیرے میں جہت کعبہ معلوم نہ ہو اور اپنے گمان پر کسی طرف منہ کرکے نماز پڑھے اور بعد میں معلوم ہو کہ نماز قبلہ کیطرف نہیں ہوئی بلکہ کسی اور طرف کو ہوئی ہے اس صورت میں اسلام کا حکم ہے کہ نماز درست ہو گئی اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ مسلمان کعبہ کی پرستش نہیں کرتے ورنہ اس صورت میں بطلان صلوٰۃ کا حکم ہوتا بلکہ تعیین جہت کی وہی حکمت ہے جو اوپر مذکور ہوئی ۱۲ جامع

پھر وہ اس کا مکان کیونکر ہوسکتا ہے اسی طرح یہاں سمجھئے کہ عرش حق تعالیٰ کا مکان نہیں ہوسکتا
کیونکہ عرش محدود ہے اور ذات خداوندی غیر محدود ہے محدود کسی طرح غیر محدود کا مکان نہیں
ہوسکتا بس استویٰ علی العرش کے معنی وہی ہیں کہ حق تعالیٰ کی تجلی صفت رحمانیت کے اعتبار سے
اسپر ہوتی ہے۔ اسی واسطے الرحمٰن علی العرش استویٰ فرمایا اللہ علی العرش استویٰ نہیں فرمایا
کیونکہ اللہ علم ذات ہے اور رحمٰن اسم صفت ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ عرش محل ذات نہیں بلکہ مظہر صفت رحمت ہے
کہ وہاں تجلی رحمت اور مکانات سے زیادہ ہے۔ یہ تو استقبال قبلہ کا راز ہوا۔ رہا تقبیل حجر
کا راز تو میں کہہ چکا ہوں کہ اس کا منشا عظمت وعبادت نہیں بلکہ محض محبت اس کا منشا ہے چنانچہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو مجمع عام میں ظاہر فرمایا۔ ایک بار آپ طواف کررہے
تھے اُس وقت کچھ لوگ دیہات کے موجود تھے جب آپ نے تقبیل حجر کا ارادہ کیا تو حجر کے پاس
ذرا ٹھیرے اور فرمایا انی لاعلم انک حجر لاتضر ولا تنفع ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قبلک ماقبلتک۔ یعنی میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ کچھ نفع دے سکتا
ہے نہ ضرر دے سکتا ہے اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے
نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ کیا خشک معاملہ کیا ہے حجر کے ساتھ بھلا اگر
یہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو کیا اوس سے یہی خطاب کیا جاتا کہ نہ تو نفع دے سکتا ہے
نہ ضرر پہونچا سکتا ہے اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ اس تقبیل کا منشا محض محبت ہے
اور محبت کی وجہ یہ ہے کہ حضور نے اس کو بوسہ دیا ہے حضور کا فضلہ بھی کسی جگہ گرا
ہو تو ہم کو اُس جگہ سے محبت ہوگی چہ جائیکہ وہ جگہ جہاں حضور کے ہاتھ لگے ہوں اور اس
سے بڑھ کر یہ کہ آپکا دہان مبارک لگا ہو۔

در منزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد — یا خاک آستانش داریم مرحباشے

رہا یہ کہ حضور نے اُس کو کیوں بوسہ دیا اس سوال کا کسی کو حق نہیں اور نہ ہمکو اس کی
وجہ بتلانا ضروری ہے ہاں اتنی بات یقینی ہے کہ حضور نے بطور عبادت وعظمت کے
بوسہ نہیں دیا ورنہ حضرت عمر اس بیباکی کیساتھ لاتضر ولا تنفع نفرماتے وہ حضور کے
مزاج شناس تھے جب اُنہوں نے حجر کے ساتھ یہ معاملہ کیا تو یقیناً اس تقبیل کا منشا عبادت
ہرگز نہیں اور تبرعاً اس کا جواب بھی دئے دیتا ہوں کہ ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
حجر کے اندر تجلیات الٰہیہ کا بنسبت دوسرے حصص بیت کے زیادہ ہونا منکشف ہوا ہو

پس نشا اس تقبیل کا تلبس زائد ہے تجلیات آلہیہ سے اور جس چیز کو محبوب کے انوار سے زیادہ تلبس ہو اُس کا بوسہ دینا اقتضائے محبت ہے۔ (قال الشاعر ؎

امر علی الدیار دیار لیلےٰ	اقبل ذا الجدار وذا الجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی	ولکن حب من سکن الدیارا (جامع)

اس جگہ شاید کسی کو یہ اشکال پیش آئے کہ جس وقت حضرت عمرؓ نے حجر اسود کے متعلق یہ فرمایا تھا انی لا علم انک حجر لا تضر ولا تنفع اُس وقت حضرت علی وہاں موجود تھے انہوں نے فرمایا بلی انہ لینفع انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ یشہد لمن قبلہ یوم القیامۃ (اوکما قال) کیوں نہیں وہ نفع دے گا میں نے حضور سے سنا ہے کہ جو لوگ اس کو چومتے ہیں قیامت کے دن یہ اُن کے واسطے گواہی دے گا۔ تو اس سے حجر کا نافع ہونا معلوم ہوا۔ اور یہ معارض ہے حضرت عمرؓ کے قول کے سو خوب سمجھ لیجئے کہ اگر حضرت علی سے یہ قول بسند صحیح ثابت ہو تو حضرت عمر اور حضرت علی کے قول میں تعارض کچھ نہیں بلکہ حضرت علی کا قول حضرت عمر کے قول کا مکمل ہے اور اُس کی حقیقت کو ظاہر کرنیوالا ہے کیونکہ جب حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو نہ ضرر دیسکتا ہے نہ نفع تو اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ پھر یہ تقبیل محض لغو ہے جس کام میں کچھ بھی نفع نہیں اُس کا کرنا فضول ہے حضرت علی نے اس شبہ کو رفع فرما دیا اور بتلا دیا کہ حضرت عمر ایک خاص نفع وضرر کی نفی فرماتے ہیں یعنی جو نفع وضرر معبود کا خاصہ ہے۔ حجر اسود میں وہ نہیں ہے باقی مطلق نفع کی نفی مقصود نہیں چنانچہ حجر میں ایک نفع ہے کہ وہ شاہد بنیگا قیامت میں اپنے بوسہ دینے والوں کیلئے۔ اور ظاہر ہے کہ شاہد کا درجہ حاکم سے کم ہوتا ہے۔ شاہد کے قبضہ میں نفع وضرر نہیں ہوتا وہ تو صرف واقعہ بیان کر دیتا ہے اب آگے حاکم کی رائے پر فیصلہ کا مدار ہے نفع و ضرر وہی دیسکتا ہے۔ حاکم اصل اور شاہد تابع ہوتا ہے۔ پس حجر کا شاہد ہونا خود اُس کی عبادت کی نفی کرتا ہے۔ چنانچہ شاہد تو انسان بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قیامت میں بہت سے انسان بھی شاہد ہوں گے۔ پس حضرت عمر کا مطلب یہ ہے کہ نفع وضرر تیرے قبضہ میں نہیں ہے اس سے تو شبہ عبادت کی نفی ہو گئی اور حضرت علی مطلب یہ ہے کہ وہ نفع تیرے اندر موجود ہے جو مخلوق سے مخلوق کو پہونچا کرتا ہے۔ یعنی شاہدیت اس سے لغویت تقبیل کی نفی ہو گئی خوب سمجھ لو۔ دوسری تکمیل توحید کی اسلام میں یہ ہے کہ تصویر کو حرام کر دیا گیا

تصویر کا بنانا بھی حرام ہے اور گھر میں رکھنا بھی حرام ہے حالانکہ تصویر قابل پرستش نہیں نہ کفار
تصویر کو پوجتے ہیں بلکہ وہ تو مجسم مورتوں کو پوجتے ہیں۔ اس وقت بھی کفار کی یہی حالت ہے
اور پہلے بھی یہی دستور تھا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اتعبدون ما تنحتون یہ نہیں فرمایا اتعبدون
ما تصورون۔ مگر باایں ہمہ اسلام نے شرک سے اتنا بچایا ہے کہ تصویر کو بھی حرام کر دیا
کیونکہ گو اس کی عبادت نہیں ہوتی مگر مفضی الی العبادت ہونے کا احتمال اس میں ضرور ہے
کیونکہ جب تصویر کی اجازت ہوتی تو لوگ حضور کی اور صحابہ و بزرگان دین کی تصویریں بھی اتارتے
اور عادۃً تصویر کا اثر قلب پر وہی ہوتا ہے جو صاحب تصویر کا اثر ہوتا ہے تو وہ تصویروں
کی تعظیم بھی کرتے پھر رفتہ رفتہ جہلاء شرک میں مبتلا ہو جاتے۔ چنانچہ پہلے زمانہ میں اسی سے
شرک کی بنیاد قائم ہوئی اور تصویر کا اثر صاحب تصویر کے برابر ہونے کا مجھے ایک واقعہ یاد
آیا جو مجھے کانپور میں ایک مسافر نے نقل کیا تھا کہ ایک مرتبہ مجمع غلاۃ مبتدعہ نے بطور استہزاء
کے ایک نقل کی جس میں ظالموں نے امام حسین امام حسن حضرت علی حضرت فاطمہ اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ کہ اللہ میاں کی بھی تصویر بنائی تھی۔ اس مجمع میں کوئی دیہاتی سنی بھی
جا بیٹھا تھا سب سے پہلے امام حسین کی تصویر لائی گئی۔ لوگوں نے مفتی مجلس سے پوچھا
کہ ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس نے کہا کہ یہ حضرت قیامت تک کے لئے ہم پر مصیبت
ڈال گئے ہیں کہ اپنے ساتھ سارے خاندان اہل بیت کو مروا ڈالا جن کو ہر سال ہم روتے
ہیں اگر یہ تقیہ کر لیتے تو کچھ بھی نہ ہوتا لہذا ان کو بچاؤ اور قتل کر ڈالو۔ اس کے بعد امام حسن
لائے گئے پوچھا ان کے واسطے کیا حکم ہے کہا انہوں نے اپنے کو خلافت سے معزول کر کے
(حضرت) معاویہ کو خلافت دیدی جس سے یزید کو خلافت پہونچ گئی یہ سب انہی کا فساد
ہے ان کو بھی قتل کر دو۔ اس کے بعد حضرت علی کی تصویر لائی گئی کہا سارے فتنہ کی جڑ یہی
ہیں انہوں نے خواہ مخواہ (حضرت) معاویہ سے لڑائی کی جس سے انکا خاندان اہل بیت
کا دشمن ہو گیا۔ تقیہ کر لیتے تو کچھ بھی نہ ہوتا ان کو بھی ختم کر دو۔ پھر حضرت فاطمہ کی تصویر
لائی گئی کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہو چکا تھا کہ حسین کربلا میں شہید
ہوں گے۔ انہوں نے اپنے ابا جان سے دعا نہ کرائی کہ میری اولاد یوں تباہ نہ ہو ان کو
بھی صاف کر دو۔ پھر نعوذ باللہ حضور کی تصویر لائی گئی کہا ارے یہ تو سب کچھ کر سکتے تھے
ایک بد دعا کر دیتے تو یزید کی کیا مجال تھی جو اہل بیت پر یہ مصیبت ڈالتا پھر جو حکم اور دوں

تصویر کا اثر قلب پر صاحب تصویر کا سا ہونا اور تصویر کا شرک کا سبب ہونا اور اس پر ایک حکایت

کے لئے ہوا تھا آپ کی تصویر کے لئے بھی وہی ہوا - بیچارہ دیہاتی مسلمان یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور
دل دل میں پیچ وتاب کھاتا رہا آخر سب کے بعد ایک بہت بڑی تصویر لائی گئی - مفتی نے
پوچھا کہ یہ کون ہیں کہا گیا کہ یہ اللہ میاں ہیں (نعوذ باللہ) اس نے کہا اے سارا فساد تو ان
ہی کا ہے انکو سب کچھ قدرت تھی مگر انھوں نے اہل بیت کا ساتھ نہ دیا - یزیدیوں کا ساتھ دیا
اور اہل بیت کو اُن کے ہاتھ سے مروا ڈالا پھر اُن کے واسطے بھی وہی حکم ہوا جو اوروں
کے لئے ہوا تھا - اس وقت بیچارے مسلمان سے نہ رہا گیا وہ یہ سمجھا کہ اگر اللہ میاں نہ ہوئے
تو بارش کون برسائے گا - روزی کون دیگا - جنت کون دیگا - بیچارہ غلبۂ جوش میں اوٹھ
اور دوڑ کے اُس تصویر کو اُٹھا کرلے بھاگا - بدعتی اس کے پیچھے پیچھے لاٹھیاں لیکر دوڑے
کہ یہ کون اجنبی ہماری محفل میں آگیا - مگر وہ دیہاتی مضبوط تھا - ایسا بھاگا کہ کسی کے ہاتھ
نہ آیا - قریب ہی اہل حق کے دیہات تھے اس نے وہاں جاکر پکارا کہ مجھے بچاؤ لوگ
جمع ہوگئے - بدعتی مجمع کو دیکھ کر لوٹ گئے اب لوگوں نے اُس سے کہنا شروع کیا کہ تو ان
کمبختوں میں کہاں جا پھنسا تھا - خیر خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تجھے بچا لیا - کہنے لگا واہ خدا
مجھے کیا بچاتا میں نے ہی خدا کو بچا لیا (توبہ توبہ) لوگوں نے کہا کمبخت یہ کیا بکتا ہے - کہنے
لگا دیکھو یہ خدا میرے ساتھ موجود ہے یہ لوگ ان کو قتل کرتے تھے میں اٹھا کرلے بھاگا
اور ان کی جان بچائی - لوگ ہنسنے لگے اور اُسے سمجھایا کہ بیوقوف یہ خدا نہیں ہے یہ تو بنائی
ہوئی تصویر ہے - خدا کو بھلا کون دنیا میں دیکھ سکتا ہے اور وہ بیچارہ تھوڑا ہی ہے کہ نہ بولتا
ہو نہ بات کرتا ہو پھر وہ کسی کے ہاتھ کیوں آنے لگا کس کی مجال ہے جو خدا تعالیٰ کو آنکھ بھر کر
بھی دیکھ سکے - وہ دیہاتی بچارا جاہل تھا مگر تھا خدا کا محب اس لئے وہ اس قول سے کہ میں نے
خدا کو بچایا ہے کافر نہیں ہوا - وہی قصہ ہوگیا جو شبان موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تھا - اخلاص
ومحبت کی وجہ سے اس کی یہ جہالت معاف ہوگئی - اس قصہ سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا - کہ
تصویر کا اثر قلب پہ کیا ہوتا ہے اسی لئے شریعت نے اس کو حرام کر دیا مگر آجکل مسلمانوں
کا کچھ ایسا مذاق بدلا ہے کہ تصویر سے ذرا بھی اجتناب نہیں رہا حتیٰ کہ مسائل کی کتابوں میں
بھی تصویریں بننے لگیں - جہاں وضو کا بیان ہے وہاں ایک تصویر آدمی کی اور لوٹے کی بنادی
ہے گویا وہ بیٹھا ہوا وضو کر رہا ہے وعلیٰ ہذا - اگر یہی مذاق رہا تو چند دنوں کے بعد قرآن میں بھی
تصویر ہونے لگے گی - جب مسلمانوں کی یہ حالت ہو تو مخالفین اسلام کو ہم کیا جواب دیں مگر ہم تو

اب بھی جواب دیں گے کیونکہ اسلام میں تو مخالفت ہی ہے اسلام اپنے پیرووں کے اعمال کا ذمہ دار تھوڑا ہی ہے ۔ ایک خوبی اسلام کی یہ ہے کہ نماز کو کس خوبصورتی کے ساتھ مشروع فرمایا ہے اس کی نظیر کوئی مذہب نہیں دکھا سکتا ۔ شروع سے لیکر آخر تک خدا کی حمد و ثنا تکبیر و تعظیم ہی ہے کبھی رکوع ہے کبھی سجدہ کبھی قیام ہے کبھی قعود گویا عاشق اپنے محبوب کی خوشامد کر رہا ہے نہ کسی طرف دیکھتا ہے نہ کسی سے بات کرتا ہے کبھی محبوب کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہے کبھی جھکتا ہے کبھی پاؤں پڑتا ہے کبھی ادب سے بیٹھ کر عرض معروض کرتا ہے غرض عجیب عبادت ہے ۔ ایک خوبی اسلام میں یہ ہے کہ غربا کے لئے امراء پر زکوۃ کو فرض فرما دیا جس میں صرف چالیسواں حصہ دینا پڑتا ہے اور کھیتی میں دسواں یا بیسواں حصہ ۔ یہ ایسی مقدار ہے جس میں دینے والے پر کچھ بھی بار نہیں اور اگر پابندی سے سب ادا کریں تو اہل اسلام کے تمام فقراء ۔ معذورین کے لئے کافی ہے ۔ کوئی بھی بھوکا ننگا نہ رہے مگر افسوس لوگ پابندی سے زکواۃ نہیں نکالتے پھر لطف یہ کہ زکوۃ دینے سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے کمی نہیں آتی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پختگی کے ساتھ فرمایا کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی ۔ آخرت کا تو ثواب ملے ہی گا زکوۃ سے دنیا میں بھی مال بڑھتا ہے آفات سے محفوظ رہتا ہے ۔ چنانچہ تجربہ کر کے دیکھ لیا جاوے پھر ایک عبادت حج کی مقرر فرمائی جس کی بناء یہ ہے کہ چونکہ بدون حال کے قال بیکار ہے دل پر بھی چرکہ لگانے کی ضرورت تھی اس لئے عشق و محبت کا چرکہ دل پر لگانے کے لئے یہ ایک عبادت ایسی بھی مشروع فرمائی جس میں ابتداء سے انتہا تک جنون عشق کی کیفیت ہوتی ہے ۔ یعنی حج ۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سب باتیں ظاہری ہی ہیں نہیں صاحب ان کا دل پر بڑا اثر ہوتا ہے ۔ احرام کی کیفیت دیکھ کر دشمنوں پر بھی اثر ہوتا ہے کہ بادشاہ اور غلام سب کے سب ننگے سر ہیں ۔ چادرہ لنگی پہنے ہوئے ہیں ۔ ناخن بڑھے ہوئے بال پریشان ہیں نہ خوشبو لگا سکتے ہیں نہ ناخن کتر سکتے ہیں نہ خط بنوا سکتے ہیں اوٹھتے بیٹھتے لبیک اللھم لبیک پکارتے ہیں ۔ جب حاجی لبیک کہتے ہیں تو پتھر بھی موم ہو جاتا ہے ۔ پھر جب مکہ پہونچتے ہیں اور کعبۃ اللہ پر نظر پڑتی ہے تو نظر کیساتھ ہی آنکھوں سے گھڑوں پانی بہنے لگتا ہے کیا یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں کوئی تو چیز ہے جو یوں بنا بنا کر ڈالتی ہے یہ رونا نہ معلوم خوشی کا ہے یا غم کا ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہمارے حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ رونا گرم بازاری عشق کا ہے جس کا ذکر ان اشعار میں ہے ؎

بلبلے برگ گلے خوشرنگ درمنقار داشت | واندراں برگ ونوا خوش نالہائے زار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہ وفریاد چیست | گفت ما را جلوۂ معشوق دریں کار داشت

غرض حج ایسی عجیب عبادت ہے کہ اگر اس کو طریقہ سے ادا کیا جاوے تو انسان ایک ہی حج میں واصل ہو جاتا ہے مگر بعضے حاجی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ایک مسافر مسجد میں پڑا سو رہا تھا کسی چور نے اس کا چادرہ کھینچا تو وہ کہتا ہے کہ نہ حاجی صاحب چادر نہ کھینچو۔ کسی نے کہا کہ تجھے اُس کا حاجی ہونا کیسے معلوم ہوا۔ کہا معلوم تو نہیں ہوا مگر ایسے کام حاجی ہی کیا کرتا ہے تو بعضے حاجی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حج سے پہلے تو وہ کچھ ڈھکے مندے نیک بھی تھے اور حج کے بعد کھلم کھلا بدمعاش ہو گئے۔ بات یہ ہے کہ حجر اسود کسوٹی ہے اُسکو چھونے کے بعد انسان کا اصلی رنگ ظاہر ہو جاتا ہے جو حالت پہلے سے مخفی تھی وہ ابھر آتی ہے اگر طبیعت میں نیکی تھی تو پہلے سے زیادہ نیک ہو جاتا ہے۔ اگر بدی تھی تو وہ بدی ابھر کھل جاتی ہے۔ بہت لوگ ظاہر میں نیک معلوم ہوتے ہیں مگر کسوٹی پر لگانے سے کھرا کھوٹا معلوم ہو جاتا ہے ؎

نقد صوفی نہ ہمہ صافی دبے غش باشد | اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد
خوش بود گر محک تجربہ آید بمیاں | تا سیہ روئے شود ہر کہ در وغش باشد

شاید تم یہ کہو کہ اچھا ہوا تم نے یہ بات ظاہر کر دی اب تو ہم حج ہی کو نہ جائیں گے نہیں صاحب حج کو جاؤ مگر اکسیر بنکر جاؤ اور لو میں تم کو اکسیر بننے کا طریقہ بھی بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ کسی کیمیاگر سے تعلق پیدا کر لو ؎

کیمیائیست عجب بندگیٔ پیر مغاں | خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

کیمیاگر سے میری مراد یہ لنگوٹی باندھنے والے نہیں ہیں بلکہ باطن کے کیمیاگر مراد ہیں جن کو اہل اللہ کہتے ہیں اُن کی شان یہ ہوتی ہے ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد | فی الحال بصورت طلا شد

پارس ایک پتھر ہوتا ہے اس کی خاصیت یہ ہے کہ جہاں لوہے کو اس سے مس کیا فوراً سونا ہو جاتا ہے اہل اللہ کی تو یہ خاصیت مشاہد ہے۔ پارس میں یہ بات ہو یا نہ ہو اہل اللہ کی صحبت سے توبۂ نصوح حاصل ہو جاتی ہے جس سے پہلی تمام گندگیاں دُھل جاتی ہیں۔ پس تم کو چاہئے کہ کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کر کے حج کو جاؤ اُس کی صحبت سے تم کو توبۂ خالص عطا ہوگی توبہ

کرتے جاؤ گے تو پھر حج کا اثر یہ ہوگا کہ پہلے سے زیادہ تم کو اعمال صالحہ کی توفیق ہوگی میرا یہ مطلب نہیں کہ مرید ہوکر جاؤ اس کی ضرورت نہیں صرف تعلق محبت اور چند روزہ صحبت کی ضرورت ہے۔

معاملات میں اسلام کا حسن

معاملات میں اسلام کا یہ حسن ہے کہ مخلوق کو دہوکہ فریب دینا حرام ہے چاہے مسلمان کو دہوکہ دے یا کافر کو من غشنا فلیس منا ۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں گذری تو گیہوں کے ایک ڈھیر میں آپنے ہاتھ ڈالا تو اُس میں اوپر تو سوکھے گیہوں تھے اور اندر بھیگے ہوئے تھے اُسوقت آپنے فرمایا من غشنا فلیس منا۔ اور اُس شخص سے فرمایا کہ بھیگے ہوئے گیہوں اوپر کردو تاکہ لوگوں کو دہوکہ نہ ہو ۔ اسی طرح جن صورتوں سے معاملات میں نزاع پیدا ہو اُن سب کو ناجائز کردیا ۔ نہی عن بیع الغرر اسی طرح سود و ربوا کو مطلقاً حرام کیا گیا کیونکہ اس سے قرض لینے والا بہت جلد تباہ ہوجاتا ہے ۔

معاشرت میں اسلام کا حسن

معاشرت کی خوبی یہ ہے کہ سب سے پہلے تواضع کی تعلیم دی گئی ہے ۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ ۔ تواضع کے یہ معنی ہیں کہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھے حتی کہ جانوروں سے بھی کمتر سمجھے کیونکہ اگر نجات ہوگئی تب تو اپنے کو اُن سے افضل کہنے کا حق ہے اور اگر خدا نخواستہ نجات نہ ہوئی تو جانوروں سے بھی بدتر ہوئے کیونکہ وہ غضب الٰہی سے محفوظ ہیں کیا اس تواضع کی نظیر کوئی دکھا سکتا ہے ۔ الحمد للہ اسلام میں اس کی صدہا نظائر موجود ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا حال اوپر مذکور ہوچکا ہے اور جو لوگ آپ کے سچے نائب ہیں وہ بھی اسی مذاق کے ہوتے ہیں اور تواضع حُسن معاشرت کی جڑ ہے معاشرت میں خرابی اسی سے آتی ہے کہ میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہوں اور تم اپنے کو اور جب دونوں اپنے کو دوسرے سے کمتر سمجھیں گے تو پھر نزاع کی نوبت ہی نہ آئے گی اور اگر آئے گی بھی تو وہ حد سے متجاوز نہ ہوگی ۔ آجکل لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں ہمارے حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تو ان لوگوں میں ہے نہیں محض باتوں سے اتفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ اتفاق کی جڑ تواضع ہے جو لوگ متواضع ہوں گے اُن میں آپس میں نزاع ہو ہی نہیں سکتا۔ اور بدون تواضع کے کبھی اتفاق پیدا نہیں ہوسکتا ۔ واقعی عجیب گر کی بات ہے ۔ ایک خوبی معاشرت کی یہ ہے کہ استیذان کا مسئلہ شروع کیا گیا ہے کہ بدون اجازت و اطلاع کے اپنے گھر میں بھی نہ آئے شاید کوئی پردہ دار ہو۔ اس کی پردہ دری ہوگی جب اپنے گھر کا یہ حکم ہے تو دوسرے کا تو کیا پوچھنا اور زنانہ تو زنانہ مردانہ میں بھی جب قرائن سے معلوم ہو کہ مجلس خاص ہے ۔ مثلاً کوئی شخص پردے چھوڑکر بیٹھا ہو تو بدون اُس کی اجازت کے اندر نہ جاؤ گو مکان مردانہ ہی ہو ۔ اخلاق کی خوبی یہ ہے کہ

اصلاح نفس کا جس قدر اہتمام اسلام میں ہے کسی مذہب میں بھی نہیں - جاہ طلبی نام آوری - ریاکاری سے سخت ممانعت ہے - حسد بغض بغیرہ پر سخت سخت وعیدیں وارد ہیں - معاشرت میں ایک حکم یہ ہے کہ اپنے غلاموں کی ستر خطائیں روز معاف کیا کرو - اس سے زیادہ خطائیں ہوں تو کچھ سزا دو - بھلا غلاموں کیساتھ یہ برتاؤ کوئی غیر مسلم کر سکتا ہے غلام تو کیا اولاد کیساتھ بھی کوئی ایسا برتاؤ نہیں کر سکتا مگر افسوس باوجود اس قدر رعایت کے پھر بھی مخالفوں کو اسلام کے مسئلہ غلامی پہ اعتراض ہے میں کہتا ہوں کہ اسلام نے تو غلاموں سے وہ برتاؤ کیا ہے کہ ان کے باپ بھی ان کیساتھ ویسا نہیں کر سکتے تھے - مسئلہ غلامی کی اصل یہ ہے کہ اس میں مخلوق کی جان بچائی گئی ہے کیونکہ جب ایک دشمن مسلمانوں کے مقابلہ میں فوج کشی کرتا ہو اور اس کے ہزاروں لاکھوں آدمی مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوں تو اب کوئی ہمیں بتلا دے کہ ان قیدیوں کو کیا کرنا چاہئے - ایک صورت تو یہ ہے کہ ان سب کو رہا کر دیا جائے اسکا حماقت ہونا ظاہر ہے کہ دشمن کی ہزاروں لاکھوں کی تعداد کو پھر اپنے مقابلہ کیلئے مستعد کر دیا - ایک صورت یہ ہے کہ سب کو فوراً قتل کر دیا جائے اگر اسلام میں ایسا کیا جاتا تو مخالفین جتنا شور و غل مسئلہ غلامی پہ کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ اسوقت کرتے کہ دیکھئے کیا سخت حکم ہے کہ قیدیوں کو فوراً قتل کر دیا جاوے - ایک صورت یہ ہے کہ سب کو کسی جیلخانہ میں بند کر دیا جاوے اور وہاں رکھ کر ان کو روٹی کپڑا دیا جائے - یہ صورت آجکل کی بعض متمدن سلطنتوں میں پسندیدہ ہے مگر اس میں چند خرابیاں ہیں ایک یہ کہ اس سے سلطنت پہ بڑا بار عظیم پڑتا ہے اور ان سے کمائی کرانا خودغرضی کی صورت ہے پھر جیلخانہ کی حفاظت کے لئے ایک خاص فوج مقرر کرنا پڑتی ہے - قیدیوں کی ضروریات کے لئے بہت سے آدمی ملازم رکھے جاتے ہیں - یہ سارا عملہ بیکار محض ہو جاتا ہے سلطنت کے کسی اور کام میں نہیں آسکتا - قیدیوں ہی کی حفاظت کا ہو رہتا ہے - پھر تجربہ شاہد ہے کہ جیلخانہ میں رکھکر چاہے آپ قیدیوں کو کتنی ہی راحت پہونچائیں اس کی ان کو کچھ قدر نہیں ہوتی کیونکہ آزادی سلب ہونیکا غیظ ان کو اسقدر ہوتا ہے کہ وہ آپ کی ساری خاطر مدارات کو بیکار سمجھتے ہیں تو سلطنت کا اتنا خرچ بھی ہوا اور سب بے سود کیونکہ اس سے دشمن کی دشمنی میں کمی نہ آئی - پھر قیدخانہ میں ہزاروں لاکھوں قیدی ہوتے ہیں اور وہ سب کے سب علمی و تمدنی ترقی سے بالکل محروم رہتے ہیں اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے - اسلام نے اس کے بجائے یہ حکم دیا کہ جتنے قیدی گرفتار ہوں سب لشکر والوں کو تقسیم کر دو - ایک گھر میں ایک غلام کا خرچ معلوم بھی نہ ہوگا اور سلطنت بار عظیم سے بچ جائیگی - پھر چونکہ ہر شخص کو اپنے قیدی سے خدمت لینے کا بھی حق ہے اس لئے وہ اس کو روٹی کپڑا جو کچھ دیگا اس پہ گراں نہ ہوگا وہ سمجھے گا کہ میں

تنخواہ دیکر نوکر رکھتا جب بھی خرچ ہوتا اب اس سے خدمت لوں گا اور اسکے معاوضہ میں روٹی کپڑا دونگا
پھر چونکہ غلام کو چلنے پھرنے سیر و تفریح کرنیکی آزادی ہوتی ہے قید خانہ میں بند نہیں ہوتا اس لئے اُسکو
اپنے آقا پر وہ غیظ نہیں ہوتا جو جیلخانہ کے قیدی کو ہوتا ہے اس حالت میں اگر آقا نے اُس کے ساتھ
اچھا سلوک کیا تو اُس کا احسان غلام کے دل میں گھر کر لیتا ہے اور وہ اُس کے گھر کو اپنا گھر اسکے
گھر والوں کو اپنا عزیز سمجھنے لگتا ہے یہ سب باتیں ہی نہیں بلکہ واقعات ہیں۔ پھر اس صورت میں غلام
علمی و تمدنی ترقی بھی کر سکتا ہے کیونکہ جب آقا و غلام میں اتحاد ہو جاتا ہے تو آقا خود چاہتا ہے
کہ میرا غلام مہذب و شائستہ ہو وہ اُس کو تعلیم بھی دلاتا ہے۔ صنعت و حرفت بھی سکھلاتا ہے
چنانچہ اسلام میں صدہا علماء و زہاد و عباد ایسے ہوئے ہیں جو اصل میں موالی تھے۔ غلاموں کے
طبقہ نے تمام علوم میں ترقی حاصل کی بلکہ غلاموں کو بعض دفعہ بادشاہت بھی نصیب ہوئی ہے

سلطان محمود کا واقعہ اور غلاموں کیساتھ ان کا برتاؤ

سلطان محمودؒ کو مخالفین بہت بدنام کرتے ہیں کہ انہوں نے تلوار سے اسلام پھیلایا مگر تاریخ
میں ان کا ایک واقعہ لکھا ہے اُس سے ان کی رحمدلی اور شفقت کا اندازہ ہو جائیگا اور یہ کہ
غلاموں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا۔ ایک بار سلطان محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اور
بہت سے ہندو جنگ میں قید ہوئے جن کو وہ اپنے ساتھ غزنی لے گئے اُن میں ایک غلام بہت
ہونہار ہوشیار تھا اس کو آزاد کر کے سلطان نے ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دی جب
وہ تعلیم سے فارغ ہوا تو اس کو حکومت کے عہدے دئے گئے حتی کہ رفتہ رفتہ اُس کو ایک
بڑے ملک کا صوبہ بنا دیا۔ صوبہ کی حیثیت اسوقت وہ تھی جو آجکل کسی بڑے والئ ریاست
کی حیثیت ہوتی ہے جس وقت سلطان نے اس کو تخت پر بٹھلایا اور تاج سر پر رکھا تو وہ
غلام رونے لگا۔ سلطان نے فرمایا کہ یہ وقت خوشی کا ہے یا غم کا۔ اس نے عرض کیا جہاں پناہ
اسوقت مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آکر پھر اپنی یہ قدر و منزلت دیکھ کر رونا آگیا۔ حضور
جس وقت میں ہندوستان میں بچہ سا تھا تو آپ کے حملات کی خبریں سُن سن کر ہندو کانپتے تھے
اور ان کی عورتیں اپنے بچوں کو آپ کا نام لیکر ایسا ڈرایا کرتی تھیں۔ جیسا ہوّا سے ڈرایا کرتی
ہیں۔ میری ماں بھی مجھے اسی طرح آپ کے نام سے ڈرایا کرتی تھی تو میں سمجھتا تھا کہ نہ معلوم
محمود کیسا جابر و ظالم ہوگا حتی کہ آپنے خود ہمارے ملک پر حملہ کیا اور اس فوج سے آپ کا مقابلہ
ہوا جس میں یہ غلام موجود تھا اُس وقت تک میں آپ کے نام سے بھی ڈرتا تھا پھر میں آپ کے
ہاتھوں قید ہوا تو میری جان ہی نکل گئی کہ بس اب خیر نہیں۔ مگر حضور نے دشمنوں کی روایات کے

خلاف میرے ساتھ ایسا برتاؤ فرمایا کہ آج میرے سر پہ تاج سلطنت رکھا جا رہا ہے تو اسوقت مجھے یہ خیال کرکے رونا آگیا کہ کاش آج میری ماں ہوتی تو میں اس سے کہتا کہ دیکھ یہ وہی محمود ہے جس کو تو ہتوا تیلایا کرتی تھی۔ صاحبو! ایسے واقعات اسلام میں بکثرت ہیں اور یہ اُسی مسئلہ غلامی کا نتیجہ ہے اگر یہ لوگ جیلخانہ میں قید کردئے جاتے تو نہ اُن کو مسلمانوں سے اُنس ہوتا نہ مسلمانوں کو اُن سے تعلق ہوتا غلام بنکر یہ لوگ مسلمانوں میں ملے جُلے رہے علمی ترقی حاصل کرتے رہے آخرکار اپنی حیثیت کے موافق درجات و مناصب پہ فائز ہوتے رہے کوئی محدث بنا کوئی فقیہ کوئی قاری بنا کوئی مفسر کوئی نحوی بنا کوئی ادیب کوئی قاضی ہوا کوئی حاکم۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی یہانتک رعایت فرمائی ہے کہ آپکا حکم ہے کہ جو خود کھاؤ وہی غلاموں کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی پہناؤ اور جب وہ کھانا پکاکر لائے تو اسکو اپنے ساتھ بٹھلاکر کھلاؤ عین وصال کیوقت میں آپکی آخری وصیت یہ تھی الصلوۃ وما ملکت ایمانکم یعنی نماز کا خیال رکھو اور ان غلاموں کا بھی جو تمہارے ہاتھوں کے نیچے ہیں اس سے زیادہ اور کیا رعایت ہوسکتی ہے اور بحمد اللہ حضرات صحابہ و تابعین اور اکثر سلاطین اسلام نے غلاموں کیساتھ یہی برتاؤ کیا۔ اگر کسی ایک نے دو نے اسکے خلاف عملدرآمد کیا تو وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے اسلام پر اس سے اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اور اصل بات یہ ہے کہ آجکل مخالفوں کو اسلام پر اعتراض کرنے کی جرأت زیادہ تر ہمارے افعال کو دیکھکر ہو رہی ہے وہ ہمارے افعال کو دیکھکر محض تحکم سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ اسلامی تعلیم کا اثر ہوگا حالانکہ ہمارے اندر آجکل جو کچھ خرابی اعمال آرہی ہے وہ کفار کے اختلاط کا یا ان کے اتباع کا نتیجہ ہے کہ بہت مسلمانوں نے کفار کے طرزِ عمل اختیار کرلئے ہیں اگر ہم اپنی حالت کی اصلاح کرلیں اور اسلام کی تعلیم کے موافق اپنا طرزِ عمل بنالیں تو کسی کو اسلام پر اعتراض کی جرأت نہ ہو بلکہ کفار خود بخود اسلام کیطرف منجذب ہونے لگیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قصہ ایک یہودی کیساتھ پیش آیا یہودی کے پاس ایک ذرہ تھی حضرت علی نے فرمایا کہ یہ زرہ میری ہے یہودی نے کہا میری ہے حضرت علی اسوقت خلیفہ تھے آپنے اپنے ماتحت قاضی کے یہاں جن کا نام شریح ہے دعویٰ دائر کیا۔ قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا جس کی شان یہ ہے کہ سلطانِ وقت مدعی ہے اور رعایا کا ایک یہودی مدعی علیہ ہے قاضی نے حضرت علی سے کہا کہ آپ ثبوت پیش کیجئے حضرت علی نے گواہی میں اپنا ایک آزاد شدہ غلام قنبر پیش کیا اور دوسرے گواہ امام حسن پیش کئے قاضی نے فرمایا کہ قنبر کی گواہی تو معتبر ہے کیونکہ وہ آزاد شدہ غلام ہے مگر امام حسن کی گواہی قبول نہیں کیونکہ وہ آپکے بیٹے ہیں اور باپ کی طرفداری میں بیٹے کی گواہی

قبول نہیں ہوسکتی اس مسئلہ میں حضرت علی اور قاضی شریح کی رائے میں اختلاف تھا حضرت علی بیٹے کی گواہی کو جبکہ وہ دیندار ثقہ ہو جائز سمجھتے تھے اور حضرت شریح کسی حال میں جائز نہ سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے امام حسن کی گواہی قبول نہ کی اور یہودی کی ڈگری کردی۔ حضرت علی کو یہ فیصلہ ذرا بھی ناگوار نہوا خوش خوش عدالت سے باہر نکل آئے مگر یہودی کو اس فیصلہ پر ایسا تعجب ہوا کہ وہ بدون اسلام قبول کئے نہ رہ سکا وہ بار بار کہتا تھا کہ خلیفہ کا قاضی خلیفہ کو ہرادے اور رعایا سے یہودی کو اُس کے مقابلہ میں جتادے۔ عجیب بات ہے۔ آخر حقانیت اسلام نے اُس کے دل پر اثر کیا فوراً مسلمان ہو گیا۔ بھلا معترضین سے کوئی پوچھے کہ اس یہودی کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا کچھ نہیں صرف صحابہ کا طرز عمل دیکھ کر اسلام کیطرف اُسے کشش ہوئی۔ واللہ اگر ہم لوگ اپنی اصلاح کرلیں تو کفار کی خود بخود اصلاح ہو جاوے گی۔ حضرات صحابہ کی تو بڑی شان ہے ہم لوگ جو اُنکے سامنے محض نقال ہیں بلکہ نقل بھی پوری نہیں ہوتی ہم ریل کے سفر میں بارہا اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہندوؤں پر ہماری بات کا اور طرز عمل کا بڑا اثر ہوتا ہے اور وہ خود بھی چپکے چپکے اقرار کرتے ہیں کہ ان کیطرف دل کو کشش ہوتی ہے یہ لوگ سچے معلوم ہوتے ہیں چنانچہ چند واقعات اس قسم کے اوپر مذکور ہو چکے ہیں لوگ اُسلام کو بدنام کرتے ہیں کہ وہ تلوار سے پھیلا ہے واللہ بالکل غلط ہے اگر مسلمان تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان کیا کرتے تو آج ہندوستان میں جہاں اسلامی سلطنت چھ سو برس تک رہی ہے ایک بھی ہندو باقی نہ رہتا مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب اس اعتراض کے متعلق یہ ہے کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو یہ بتلاؤ کہ وہ شمشیر زن کہاں سے آئے تھے کیونکہ تلوار خود تو نہیں چل سکتی تو جن لوگوں نے سب سے پہلے تلوار چلائی ہے یقیناً وہ تو تلوار سے مسلمان نہیں ہوئے تھے کیونکہ اُنسے پہلے تلوار کا چلانیوالا کوئی تھا ہی نہیں تو ثابت ہو گیا کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا تاریخ سے ثابت ہے کہ جہاد مدینہ میں آکر شروع ہوا اور اہل مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی زیادہ تر مسلمان ہو چکے تھے آخر انکو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا اور مکہ میں جو کئی سو آدمی مسلمان ہوئے اور کفار کے ہاتھ سے اذیتیں برداشت کرتے رہے وہ کس تلوار سے مسلمان ہوئے تھے (پھر ہجرت مدینہ سے پہلے بعض صحابہ نے حبشہ کیطرف ہجرت کی ہے اور وہاں کفار قریش کیساتھ مسلمانوں کا مناظرہ ہوا اور نجاشی شاہ حبشہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کی زبان سے قرآن سنکر بے تحاشا رونا شروع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کی گواہی دی اور اسلام قبول کیا اسپر کس کی تلوار چلی تھی اسیطرح صدہا واقعات تاریخ میں موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ اسلام محض اپنی

مخالفین کا اعتراض کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے اور اس کا جواب

حقانیت سے پھیلا ہے خصوصاً عرب کی قوم جو جنگ جوئی میں شہرہ آفاق ہے وہ کبھی اور کسیطرح تلوار کے خوف سے اسلام کو قبول نہ کرسکتی تھی ان کے نزدیک لڑ نامرنا معمولی بات تھی مگر و ب کردین کا بدلنا سخت عیب تھا وہ ہرگز تلوار کے خوف سے اسلام نہیں لاسکتے تھے ۱۲ - جامع) اس پر شاید یہ سوال ہو کہ پھر جہاد کس لئے مشروع ہوا تو خوب سمجھ لو کہ جہاد حفاظتِ اسلام کے لئے مشروع ہوا ہے نہ کہ اشاعت اسلام کے لئے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے لوگ اس فرق کے نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطی میں پڑے ہوئے ہیں - جہاد کی مثال اپریشن جیسی ہے کیونکہ مادے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک متعدی ایک غیر متعدی - جو مادہ غیر متعدی ہوتا ہے اُسکو تو محللات اورام کے ذریعے سے دبا دیا جاتا ہے کوئی مرہم لگا دیا مالش کردی جس سے وہ دب گیا اور متعدی مادہ کے لئے اپریشن کیا جاتا ہے اس کو چیر کر نکال دیا جاتا ہے اسیطرح دشمنان اسلام دو طرح کے ہیں بعض تو وہ جن سے صلح کرلینی مناسب ہوتی ہے وہ صلح کرکے مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیتے ہیں اُنسے تو صلح و مصالحت کرلیجاتی ہے بعض ایسے موذی و مفسد ہوتے ہیں کہ صلح پر آمادہ نہیں ہوتے یہ مادۂ متعدیہ ہے ان کیواسطے آپریشن کی ضرورت ہے اسی کا نام جہاد ہے پس جہاد سے لوگوں کو مسلمان بنانا مقصود نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہے۔ لوگ عالمگیر[۲] رحمۃ اللہ علیہ کو بدنام کرتے ہیں کہ انہوں نے ہندؤں کو زبردستی مسلمان کیا ہے یہ بالکل غلط ہے عالمگیر پابند شرع تھے بارہ ہزار متن احادیث کے حافظ تھے قرآن لکھکر ہدیہ کرکے گذارہ کرتے تھے اپنے خرچ میں خزانہ کا ایک پیسہ نہ لاتے تھے ان کے سامنے لا اکراہ فی الدین کا حکم موجود تھا وہ اس کے خلاف[عہ] کیونکر کرسکتے تھے یہ تو پہلے واقعات تھے ان سے قطع نظر کرکے میں پوچھتا ہوں کہ اچھا[۳] اسوقت جو لوگ ہندوستان میں اسلام لاتے ہیں وہ کیوں مسلمان ہوتے ہیں ان پر کونسی تلوار کا زور ہے یقیناً اسوقت کسی طرح بھی اُن پر زور نہیں ہے بلکہ ہر طرح آزادی ہے نہ ہم ان کو کسی طرح کی طمع دلاتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس اتنا مال ہی نہیں جو وہ طمع دلاکر کسی کو مسلمان کریں بلکہ حالت یہ ہے کہ آج کوئی نو مسلم اسلام لایا تو کل کو اس سے بھی دینی کاموں میں چندہ مانگتے ہیں اور اگر کوئی شخص اسلام لاتے وقت ہم سے روپیہ کی درخواست کرے تو ہم صاف کہدیتے ہیں کہ تم اپنی نجات کے واسطے اسلام لاتے ہو تو لاؤ ورنہ ہم کو لالچ کیا ہے مسلمان

عہ اور ان سے متعلق اُن تاریخوں کا بیان ہیر حجت نہیں ہو سکتا جو بعض متعصب انگریزوں نے لکھی ہیں کیونکہ ہم تو مسلمانوں میں بھی ہر مؤرخ کو معتبر نہیں سمجھتے جبتک کہ وہ شرعی قواعد کے موافق ثقہ نہ ہو پھر مخالفین کی تاریخوں کو ہم کیسے حجت تسلیم کرسکتے ہیں ایسی تاریخوں کا رد بعض مستقل رسالوں میں شائع بھی ہوگیا ہے ۱۲ جامع

کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو دولت ہم تم کو دے رہے ہیں اس کے مقابلہ میں تو اگر تم خود ہم کو نذرانہ دو تو بجا ہے لیکن باوجود اس آزادی اور استغنا کے پھر بھی بہت لوگ اسلام لاتے ہیں اور لا رہے ہیں اور اسلام لاتے ہی انکی ایسی حالت ہوتی ہے کہ گویا بچھڑا ہوا محبوب ان کو مل گیا۔ ایک ہندو اسلام لانے کے بعد خدا کی محبت اور اس کی یاد میں اس قدر روتا تھا جس کا بیان نہیں اور کہتا تھا کہ مجھکو تو اب معلوم ہوا کہ خدا کسے کہتے ہیں۔ غرض اس کی عجیب حالت تھی یہ ہیں محاسن اسلام جن کو میں نے مختصراً بیان کر دیا ہے یہ موٹی موٹی باتیں ہیں ان کو تبلیغ کے وقت بیان کرو اور اگر کوئی فلسفی زیادہ اُلجھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کی ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے یا حکم دیا ہے اور آپ خدا کے رسول ہیں اور آپ کی رسالت و صدق دلائل سے ثابت ہے اگر تم کو حضور کی رسالت میں شبہ ہے تو ہم اس کو دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں جب آپکی رسالت ثابت ہو جائے گی تو آپ کے سارے احکام کو تسلیم کرنا لازم ہوگا اور منجملہ اُن کے ایک یہہ حکم ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ میرے دین سے سب ادیان منسوخ ہوگئے ہیں اب اسلام کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ بس فلسفیوں کو اس سے زیادہ کچھہ نہ کہا جائے ہاں اگر کوئی منصف ہو تو اس کے سامنے یہ محاسن بھی بیان کر دئے جائیں۔ ایک بات آثار محاسن اسلام میں سے یہ ہے کہ ہر مذہب کا پورا اثر اس کے خواص متبعین میں ہوا کرتا ہے پس خواص اہل اسلام اہل اللہ اور علماء متقین کا موازنہ دوسرے مذاہب کے خواص سے کر لیا جائے اور ان کے پاس ایک دو ہفتہ رہ کر اُن کی حالت کو دیکھا جائے۔ دعوے سے کہا جاتا ہے کہ انشاءاللہ خواص اہل اسلام تمام دنیا کے مذاہب کے خواص سے افضل ہوں گے۔ عبادت خداوندی محبت الٰہی ذکر و فکر خشیت و رغبت آخرت کا جو اثر ان میں نمایاں ہوگا کسی مذہب کے خواص میں اُنکا پتہ بھی نہ ملیگا اُسوقت ظلمت و نور میں کھلا ہوا فرق نظر آئیگا لو یہ میں نے ایسی آسان صورت بتلا دی جس سے ہر شخص حق و باطل میں امتیاز کر سکتا ہے یہ ہیں محاسن اسلام ان کی تبلیغ کرو اور اس وعظ کا نام بھی مضامین کی مناسبت سے محاسن اسلام ہی رکھتا ہوں۔ اب ختم کرتا ہوں دعا کیجئے کہ حقتعالیٰ ہمکو فہم سلیم عطا فرماوے اور مسلمانوں کو تبلیغ اسلام کی توفیق دے اور جو مسلمان فتنۂ ارتداد میں گمراہ ہوگئے ہیں اُنکو دوبارہ اسلام کیطرف ہدایت کرے اور جن پر خطرہ ہو خدا اُن کو اس بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین

وصلی اللہ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ط

تمت

معیار کامل کھلا ہوا دینی حق اور ظلمت و نور بیان